مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار

ناشر

زی بزمِ رضا

پیرانی پاڑہ، شانتی نگر روڈ بھیونڈی تھانے ۴۲۱۳۰۲

امام احمد رضا

اور

مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار

ناشر

مرکزی بزم رضا

۵۵۵ پیرانی پاڑہ، شانتی نگر روڈ بھیونڈی تھانے ۴۲۱۳۰۲

سن اشاعت ـــــ جون ۱۹۹۷ء

تعداد ـــــ گیارہ سو

قیمت ـــــ تیس ۳۰/ روپئے

پروف ریڈنگ ـــــ مولینا رفیق احمد مصباحی

مطبع ـــــ رضا آفسیٹ پریس ممبئی ۳

ملنے کا پتہ :-

- رضا اکیڈمی ممبئی
- المکتبۃ المدینہ ممبئی
- مکتبہ نعیمیہ دہلی
- رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

جھلکیاں

۸۶ - ۹۲

آؤ رضا کی بات کریں

امام احمد رضا تحریک عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیثیت سے اقلیم قلوب میں زندہ ہیں۔ آپ کی تحریر و تقریر تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نشان منزل عطا کرتی ہیں اور تحقیق و تفتیش سے ذوق رکھنے والوں کو طریقہ تحقیق و اصول تحقیق کی نت نئی جہتوں سے آشنا کرتی ہیں دانشوروں کا ایک طبقہ پونہ صدی سے امام احمد رضا کے علم و فن کی وسعتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن کثرتِ علم کے باوجود اپنے آپ کو ساحل ہی پر کھڑا پاتا ہے۔ لوگ کسی ایک فن کو حاصل کرنے کے لئے شدید کلفتوں سے دوچار ہوتے ہیں، نقل مکانی کا کرب اٹھاتے ہیں، صحرا پیمائی و جگر خراشی کا ثبوت دیتے ہیں تب جا کر اس فن میں تھوڑا بہت کمال پیدا کرتے ہیں لیکن جب ہم بریلی کے اس درویش صفت ذات کی طرف دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رب کائنات نے علم کے ہزاروں ابواب اس کی طرف کھول دیئے ہیں۔ علم خود اس کے دَر کی گدائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس موضوع پر امام احمد رضا نے قلم اٹھایا ہے اسے معراج تحقیق کی دَولت عطا کر دی ہے۔ آپ کی تحقیقات کو پڑھنے کے بعد بڑے بڑے ہمالیائی علم کے مالک کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے ہماری ان باتوں پر جانب داری کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقائق اس سے بھی فزوں تر ہیں۔ آپ ان کی جانب رجوع کر کے تو دیکھیں۔

ادھر چند سالوں سے امام احمد رضا پر کام کرنے کا جو ماحول بنا ہے۔ یہی ماحول پچاس سال پہلے بنایا گیا ہوتا تو آج اہلِ سنت کی پوزیشن کچھ اور ہوتی۔ امام احمد رضا کا تعارف تقریر کے ذریعے بھی کرایا گیا ہے اور تحریر کے ذریعہ بھی لیکن تقریر

میں حقائق کم اور جذباتیت زیادہ کار فرما ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقررین کی بڑی تعداد علم اور مطالعہ سے خالی ہوتی ہے۔ ان کی زیادہ کوشش عوام سے داد وتحسین کی طالب ہوتی ہے، انھیں مذہب و مسلک سے زیادہ اپنا مقاد عزیز ہوتا ہے۔ ہاں علماء کی ایک جماعت نظر آتی ہے جس نے تقریر کو مذہب و مسلک کے تقدس کی حفاظت کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس جماعت میں پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کامل سہسرامی، علامہ حشمت علی خاں، علامہ قادر بخش سہسرام، علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی کے اسماء مقدس سر فہرست آتے ہیں۔

جہاں تک تحریر کی بات ہے اس میں بھی بنیادی طور پر لوگ خطا کے شکار ہوئے ہیں اور آج بھی ہو رہے ہیں یعنی امام احمد رضا کی انھیں تصنیفات کی اشاعت پر زیادہ زور صرف کیا گیا جو ردّ عقائد باطلہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جو تصنیفات علم ہیئت۔ علم نجوم۔ علم جفر، تکسیر۔ جبر و مقابلہ اور سائنس سے تعلق رکھتی ہیں ان کی اشاعت سے آج بھی بہت حد تک پہلو تہی برتی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حلقوں میں امام احمد رضا کے تعلق سے آج بھی بیزاری کی سرد لہر پائی جا رہی ہے۔ وقت اور حالات کا سخت تقاضا ہے کہ ان تصنیفات کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی جائے اور دنیا کی اہم شخصیات بڑی بڑی یونیورسیٹیوں اور لائبریریوں کو یہ کتابیں بھیجی جائیں تو اس کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔ اس تعلق سے اہل پاکستان کی پیش رفت لائق ستائش ہے۔ وہ لوگ جدید تقاضوں کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں دعویٰ ہی دعویٰ ہے کام کچھ نہیں۔ وقت اور حالات کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اب تک امام احمد رضا کی سیرت و سوانح پر کوئی پائدار تحریر نہ آسکی ہے۔ جہاں خالص علمی بنیاد پر کام کرنے کی ضرورت ہے وہیں کم پڑھے لکھے لوگوں کی خواہشوں کا بھی احترام ہونا چاہیئے۔

زیر نظر کتاب امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار۔ ڈاکٹر سید جمال الدین ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ تینوں شخصیات

علم و تدبّر کی تابندہ یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہندستان کی مرکزی جامعات سے وابستہ ہیں۔ ان کا مختصر تعارف ڈاکٹر منظور الدین صاحب نے تقدیم میں پیش کیا ہے قارئین کے لیئے وہی کافی ہے۔ اس کتاب میں امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار و نظریات کا حقائق کی روشنی میں غیر جانبدار ہو کر جائزہ لیا گیا ہے اس کا صحیح احساس قارئین کو مطالعہ کے بعد ہوگا

مرکزی بزم رضا بھیونڈی کی یہ دوسری پیش کش ہے۔ ادارہ کے قیام کا مقصد علماءِ اہلِ سنّت اور خاص کر امام احمد رضا کی تصنیفات کی بڑے پیمانے پر اشاعت ہے۔

ہم نے اپنا سفر بے سر و سامانی کے عالم میں شروع کیا ہے۔ اللہ کی رحمت اور بزرگوں کی نیک دعائیں شامل حال رہیں تو دن بدن کام کی رفتار میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ہم ادارہ کی تعمیر میں اپنا خون جگر دینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ اگر دینی و ملّی درد رکھتے ہیں تو تنظیم کی رکنیت قبول فرما کر ہمارے بوجھ کو آسان سے آسان تر کریں۔

اس کتاب کی اشاعتِ اول کا سہرا ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، پاکستان کے سر جاتا ہے ہم ادارہ کے مشکور ہیں کہ اس نے اتنی عمدہ تحقیق سے اسلامی دنیا کو استفادہ کا موقع فراہم کیا۔ آخر میں ہم اپنے ان احباب و مخلصین کا شکریہ ادا نہ کریں تو حق تلفی ہوگی جنھوں نے اس کی اشاعت پر ہمیں آمادہ کیا اور اپنے پُر خلوص مشوروں سے نوازا حضرت علاّمہ سیّد اولادِ رسول قدسی عالی جناب الحاج سعید نوری صاحب بانی و سربراہ رضا اکیڈمی بمبئی۔ جناب مولانا رحمتُ اللہ صدّیقی مدیرِ اعلیٰ پیغام رضا۔ اور جناب مولانا رفیق احمد مصباحی۔ مولانا محمّد یونس رضوی۔ ربِّ کائنات ان سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

قارئین حضرات انسان ہونے کی وجہ سے ہم سے بھول ہو سکتی ہے۔ اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو علم دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو دور کیا جا سکے۔ فقط

نیاز مند
چاند علی رضوی
بانی و سربراہ ادارہ ہٰذا

۷

تقدیم

برصغیر پاک وہند کی احیاء دین کی اسلامی تحریکات اور مسلمانوں کی سیاسی کشمکش کے عمومی تناظر میں سید جمال الدین کا مقالہ زیر نظر بہ عنوان " امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار" کا مطالعہ بہ غور کیا اور میرے ذوق تحقیق وتجسس کے لیے مہمیز ثابت ہوا، اور موضوع کے نئے زاویے سامنے آئے جن کا مطالعہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی و دینی تاریخ کے افہام کے لیے ناگزیر ہے۔

اس مقالہ میں سیّد جمال الدین صاحب نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اصل مآخذ کے حوالوں سے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اور ان کے خیال میں یہ دونوں شخصیات "ہندوستان کی تاریخ اسلام میں دو الگ الگ دھاروں سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

فاضل بریلوی مسلکِ اہلسنّت پر استقامت کے ساتھ قائم، حنفی مذہب کے پابند اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں داخل بیعت اور اجازت وخلافت سے سرفراز تھے، مولانا آزاد قدیم مسلکِ اہلسنّت سے جو انہیں موروثی طور پر ملا تھا، منحرف، تقلید سے برگشتہ اپنے دور کے صوفیاء ومشائخ سے بیزار تھے، وحدت دین مولانا آزاد کا پیغام تھا۔

اس مقالہ میں سید جمال الدین صاحب نے احمد رضا خان اور آزاد

کا تقابل دو اہم زاویوں سے کیا ہے۔ اوّل دونوں کے اختلاف عقائد و مسالک پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ دوسرے، دونوں کے سیاسی نظریات و رجحانات کے تضادات کو واضح کیا ہے۔ بالعموم علماء اہلِ سنّت عقائد و فکر کے اعتبار سے "تحفۂ اثناء عشری" کے معروف مصنف شاہ عبدالعزیز دہلوی کی روایت سے وابستہ رہے ہیں۔ یہ کتاب "ردّ شیعیت" پر بڑی مستند مانی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امت اسلامیہ دو فرقوں یعنی شیعہ، سُنّی میں تقسیم تھی اور اہل سنّت میں کوئی افتراق کی کیفیت نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل نے جب محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کا اُردو ترجمہ بہ عنوان "تقویۃ الایمان" شائع کیا۔ تو اہلِ سنّت علماء کے مابین مسلک کے اختلافات کا آغاز ہوا اور یہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک روایت پسند اہل سنت اور دوسرے اہل حدیث، سلفی، غیر مقلد یا وہابی کہلائے، عام طور سے موخر الذکر گروہ کو اہلِ سنّت نے "وہابی" کا نام دیا اس لیے کہ وہ عبدالوہاب نجدی کے تعبیرات سے متاثر تھے یا اس کے قائل تھے اور اوّل الذکر گروہ کو طنزیہ انداز میں "بدعتی" کہا گیا کیونکہ بقول اہلِ حدیث کے انہوں نے اسلام میں بدعات کو شامل کر دیا تھا۔ اس طرح ایک دوسرے کے خلاف علماء صف آراء ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے صادر کیے۔ فاضل بریلوی اپنے دَور کے روایت پسند اہل سنّت عقائد و افکار کے مستند داعی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اپنی تصانیف تقاریر اور شاعری کے ذریعہ انہوں نے "حنفیت" کے خلاف یلغار کی مدافعت کی۔ مولانا آزاد بنیادی اعتبار سے ثقہ اہلِ سنّت خانوادۂ علماء سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کا فکری ارتقاء میں ایک ایسا مقام آیا جب انہوں نے روایت پسندی کو ترک کر دیا۔ اور بقول سید جمال الدین صاحب مولانا آزاد نے "خود اپنا ایک علیحدہ راستہ" منتخب کیا وہ" معتزلہ، ابن تیمیہ، ابن خلدون، شاہ

اسماعیل دہلوی، سر سید احمد خان، علامہ شبلی نعمانی غرض ہر اُس فکر اور مفکر کی طرف
میلان اور خوش عقیدگی رکھتے تھے، جنہیں بریلوی اہل سنت کے حلقے سے
خارج سمجھتے تھے۔"

دونوں مکاتیب فکر کے مابین بعض امور عقائد میں بنیادی اختلاف
ہے بمثلاً غیر مقلد حضرات "توحید" پر اس طرح زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صرف نظر کرنے میں کوئی تکلف نہیں
محسوس کرتے، ان کے خیال میں اہل سنت ذاتِ رسول کی مدحت میں
اس طرح غلو کرتے ہیں کہ شرک کے حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ میلاد
شریف، قیام، نیاز و فاتحہ، قبور کی زیارت، اولیاء اللہ کی کرامات، رفع یدین
وغیرہ سے اختلاف ہے۔ اس موقع پر علوم عمرانی کے ایک ادنی طالب علم کی
حیثیت سے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر دین کسی معاشرہ کی روحانی اساس فراہم
کرتا ہے تو اسی معاشرہ کی ظاہری ہیئت کو بھی متاثر کرتا ہے۔ عام انسانوں کی
وابستگی دین سے اس کی ظاہری علامت سے قائم رہتی ہے۔ اس لیے عوام
میں رسوم و رواج جو شریعت الٰہی سے متصادم نہ ہوں اور ان کے حوالے سے
انہیں روحانی سکون اور طمانیت، قلب نصیب ہو تو اسے کفر یا شرک سے تعبیر
نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اسی لیے میرے خیال میں ذات رسول سے عشق و وابستگی
اور تصوف اور دیگر عوامی سطح پر اسلامی روایات و علامات معاشرہ میں
ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں اور ان کو مجتمع کرتے ہیں۔ جو سیاسی سطح پر تقویت کا
باعث ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد اور دیگر وہابی عقائد کے حامی
علماء بالعموم اور جمعیت العلماء ہند جن کا تعلق دیوبند سے ہے، فقہ حنفی
کی روایات سے برگشتہ ہو گئے ہیں اس طرح برصغیر میں ملت اسلامیہ

میں انتشار پیدا ہو گیا۔ مولانا آزاد نے میدانِ سیاست میں "متحدہ قومیت" کا قرآنی جواز میثاقِ مدینہ کی اصطلاح "امتِ واحدہ" سے پیش کی۔ مولانا حسین احمد نے بھی اس سلسلہ میں موشگافیاں کی تھیں۔ آزاد کے خیال میں "ہندو اور مسلمان" مل کر "امتِ واحدہ" تشکیل دیتے ہیں۔ اور اسی فکری بنیاد پر وہ آل انڈیا کانگریس کے ساتھ مل کر آزادیٔ ہند کے لیے کوشاں تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران مسلمانانِ ہند نے خلافت تحریک چلائی اور اس تحریک کی حمایت میں گاندھی اور کانگریس کا تعاون حاصل کیا، مسلمانوں نے دینی بنیاد پر تحریک کے لیے قربانیاں دیں۔ لیکن گاندھی، کانگریس اور ہندو اس تحریک میں آزادیٔ ہند کی خاطر شریک ہوئے۔ اور عوام میں آزادی کا شعور بیدار کرنے کے لیے ترکِ موالات کو اختیار کیا۔ گاندھی، کانگریس یا دوسرے ہندو زعماء کو "خلافت" سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اسی لیے یہ ہندو مسلم اتحاد مصنوعی اور عارضی تھا۔ مولانا آزاد کی سیاست اور ان کے نظریات کے برخلاف فاضل بریلوی کا نقطۂ نظر واضح طور پر وہی تھا جو علماء اہلِ سنّت نے اختیار کیا تھا یعنی یہ کہ "اہلِ سنّت وجماعت" برصغیر میں ملّتِ اسلامیہ کے جداگانہ تشخّص کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور اسی لیے وہ ہندو مسلم اتحاد کو ملّت اسلامیہ کے لیے خطرہ قرار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل بریلوی کو "دو قومی نظریہ" کا داعی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق دونوں ممالک کے سیاسی رویوں سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں علماء اہلسنّت کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ جمعیّت علماء ہند اور مولانا آزاد کے خلاف مسلم لیگ کی تائید میں ان علماء نے آل انڈیا سنّی کانفرنس کو ایک

دینی سیاسی تنظیم کی حیثیت سے قائم کیا۔ اور عوامی رابطہ کی مہم میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ نتیجہ کے طور پر مولانا آزاد اور دیگر دیوبندی علماء دنیز مولانا مودودی اور جماعت اسلامی میدان سیاست میں تنہا رہ گئے۔
اس طرح "متحدہ قومیت" کے شر سے مسلمانانِ برصغیر محفوظ رہے اور "دو قومی نظریہ" کی بنیاد پر برصغیر کی سیاسی تقسیم عمل میں آگئی اور "پاکستان" وجود میں آیا۔

اختصار کے ساتھ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ مقالہ نہ صرف یہ کہ دلچسپ ہے بلکہ آزاد اور فاضل بریلوی کے افکار و عقائد کا بہ نظر غائر تقابلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ معلوماتی بھی ہے اور "تحریک پاکستان" کے ایک اہم پہلو سے قاری کو روشناس کراتا ہے۔ اسی سلسلے کی دوسری کڑی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا مقالہ بہ عنوان "امام احمد رضا اور مولانا آزاد کا نظریہ موالات" ہے، اس میں فاضل مقالہ نگار نے دونوں اکابر کی تحریروں کی روشنی میں، برصغیر کی سیاست میں ان کے اختلافِ فکر کی نشاندہی کی ہے۔ بقول ڈاکٹر انجم فاضل بریلوی اور امام الہند مولانا آزاد دونوں نے "نعرۂ اتحاد" بلند کیا، لیکن مولانا آزاد نے "ہندو مسلم اتحاد" کو برطانوی استعمار سے نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ برعکس اس کے کہ فاضل بریلوی نے ہنود اور انگریزوں کے خلاف "مسلم اتحاد" کو لازمی قرار دیا۔

مولانا آزاد گاندھی کے نظریۂ "عدم تعاون" اور "عدم تشدد" سے بہت متاثر تھے اور وہ برطانوی سامراج کے خلاف ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ تحریک چلانا چاہتے تھے، تحریک خلافت کے دوران گاندھی کو مساجد میں منبر پر بٹھایا اور قرآن کریم کو مندر میں لے جایا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ

گاندھی نے اکبری دور کے " دین الٰہی " کی طرح گیتا، قرآن اور انجیل کا امتزاج کر کے ایک نیا ہیولا تیار کر لیا۔ یہ بعض مسلم زعماء کے لیے بہت پرکشش تھا۔ تحریکِ خلافت نے ایک ایسا موقع فراہم کیا کہ گاندھی جی ایک طرف تو مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانوی سامراج کے خلاف " احیاءِ خلافت " کی تائید کی اور دوسری جانب حصولِ آزادیٔ ہند کی خاطر " متحدہ قومیت " کے تصور کو فروغ دیا۔ آزاد کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے امام احمد رضا خان نے واضح طور پر کہا کہ یہ تصور اسلامی نظریہ سے متصادم ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر انجم نے امام احمد رضا کی تحریر کا اقتباس پیش کیا ہے۔

" ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو عوام بپھریں، چندہ خوب ملے اور گنگا و جمنا کی زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔ ؎

اے پس رو مشرکاں بہ زم زم نرسی
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ دمن است

انگریزی حکومت کے خلاف " ترکِ موالات " کو مولانا آزاد جزوِ ایمان قرار دیتے ہوئے اس کی فرضیت کو ارکان اسلام کی طرح نصِ قطعی سے ثابت کرتے تھے اس سلسلے میں فاضل مقالہ نگار نے لاہور کے انجمن حمایت اسلام کے سکریٹری پروفیسر حاکم علی کے اس مراسلہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں انہوں نے امام احمد رضا سے رجوع کیا تھا اور " ترک موالات " کی شرعی حیثیت سے متعلق استفسار کیا تھا۔ فاضل بریلوی نے ہندو و انگریز دونوں ہی سے موالات کو غیر شرعی قرار دیا اور اس موضوع پر ان کی گرانقدر تصنیف

"المحجۃ الموتمنۃ آیۃ الممتحنۃ" بڑی وقیع ہے۔ بعد میں تلامذۂ امام احمد رضا نے برابر "ترک موالات" کی شدید مخالفت کی۔ کیونکہ اس میں ہندو مسلم متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کرانا چاہتے تھے۔ لیکن ہندوؤں کے ساتھ موالات ان کی نظر میں ہرگز درست نہیں تھا۔

اس طرح امام احمد رضا خان نے اپنے فتوٰی اور تصانیف کے ذریعہ "موالات کے تصوّر پر کاری ضرب لگائی اور مسلمانوں کو گاندھی اور ان کے زیر اثر مولانا آزاد اور دوسرے علماء کے دام تزویر سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور "ملّت اسلامیہ" کی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھنا لازمی گردانا۔ اس طرح انہوں نے "دو قومی نظریہ" کی تائید کی جو بعد میں قیام پاکستان کی اساس ثابت ہوئی۔

دونوں مقالے معنوی اور نفس موضوع کے اعتبار سے مربوط ہیں اور ان دونوں کا کلیدی نکتہ یہی ہے کہ امام احمد رضا خان نے بحرانی دور میں مسلمانان ہند کی صحیح سمت میں رہنمائی فرمائی اور ان کو کانگریس سے دور رکھا، اور اس طرح مولانا آزاد کی آواز ہند کی سیاست میں مسلمانوں کی حد تک صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی۔

پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد
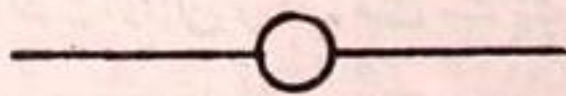
ابتدائیہ

اہلسنت وجماعت جن کا عرف "بریلوی" ہے مطالعہ کے مستحق ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر سے اہلسنت وجماعت کا بریلوی مکتب فکر برصغیر کے مسلمانوں پر بہت اثر انداز رہا ہے۔ اس مکتب فکر کا صحیح تاریخی تناظر میں کوئی مبسوط مطالعہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ بریلوی علمائے اہلسنت کے افکار کا مطالعہ میری خاص دلچسپی کا موضوع ہے۔ پیش خدمت تصنیف اسی شوق اور دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ اس کا محور امام اہلسنت مجدد دین وملت مولوی احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار ہیں۔

معاصر شخصیتوں سے مختلف موضوعات پر فاضل بریلوی کی علمی معرکہ آرائیاں رہا کرتی تھیں۔ ابوالحسنات مولانا عبد الحئی فرنگی محلی، مولوی نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند محمود حسن دیوبندی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی انور شاہ کشمیری، امام الہند مولانا ابوالکلام وغیرہم کی بعض عبارتوں یا ان کے بیانات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ان سے انتشار پیدا ہوگا لہٰذا یہ حضرات ان سے علانیہ توبہ ورجوع کریں۔ اس مطالبے کے نتیجے میں زبردست مناظرانہ ادب پیدا ہوا اور ایسی گرہیں پڑیں کہ اب تک کھلنے میں نہیں آتی ہیں۔ تقویۃ الایمان کی اشاعت سے پہلے ہندوستانی مسلمان صرف دو گروہوں میں منقسم تھے: اہل سنت اور اہل تشیع۔ ان میں اول الذکر کی آبادی کثیر تھی لیکن تقویۃ الایمان کے بعد اختلافات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ سوادِ اعظم اہل سنت سے نکل نکل کر

لوگ مختلف خیموں میں داخل ہونے لگے اور اس طرح صدیوں سے ہندوستان میں اقبال مند سواد اعظم اہل سنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ سواد اعظم اہل سنت کے اتحاد سے انتشار کے سفر کو تاج العلماء مرشدی حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہٗ نے مسدس شوکت اسلام (شاہی پریس امین آباد، لکھنؤ) میں اس طرح بیان کیا:

رسولِ خدا کا تھا یہ صاف فرمان | مری آل واصحاب اور پاک قرآن
تمھاری ہدایت کے ہیں سب یہ سامان | نہ چھوڑو کبھی ان کا بھولے سے دامان
کرو پیروی ان کے احکام کی تم | سند لو انھیں سے ہر اک کام کی تم
یہ فرمان جب تک کہ پیش نظر تھا | تو بس اپنا راہِ ہدیٰ پر گذر تھا
کسی سے نہ کچھ ہم کو خوف و خطر تھا | نہ شیطان ملعون کا ہم کو ڈر تھا
نکوئی تھی دارین کی ہم کو حاصل | ہمارا ہر اک شخص تھا فرد کامل
کوئی امر مشکل جو پیش ہم کو آتا | حدیث اور قرآن ہمیں تھا بتاتا
صحابہ کا فرمان پتہ تھا چلاتا | ہدایت کا رستہ ہمیں تھا دکھاتا
نہ خود رائی کو کچھ بھی ہم دخل دیتے | بتاتے جو وہ اُس کو ہم مان لیتے
قواعد شریعت کے ہم کو بتاتے | رموز طریقت تھے ہم کو سکھاتے
حقیقت کے جلوے ہمیں تھے دکھاتے | وہ تھے ہم کو اللہ والا بناتے
مدارس مساجد میں وہ درس دیتے | جو کچھ پوچھنا ہوتا ہم پوچھ لیتے
وہ قرآن کی تجوید ہم کو سکھاتے | وہ منسوخ ناسخ ہمیں تھے بتاتے
مطالب معانی ہمیں تھے گناتے | غرض وہ مفسر ہمیں تھے بناتے

جو قرآن کے معنی نبی نے سکھائے — وہی بے کم و کاست ہم کو بتائے

. . . — . . . . .

سنا جو نبی سے سُنایا وہ ہم کو — حدیثوں کا حافظ بنایا وہ ہم کو
سلوک اور تصوف سکھایا وہ ہم کو — جو سیدھا تھا رستہ بتایا وہ ہم کو
بلندی پہ پہنچا ترقی کا پایا — جسے دیکھ کر چرخ نے رشک کھایا
جہاں میں ہمارا نہ تھا کوئی ہمسر — کسی کے طریقے نہ تھے ہم سے بہتر
رہا فضل خالق کا جب تک کہ ہم پر — مبارک یہ قول اُن کا تھا ہم کو ازبر
ہماری کبھی راہ مت چھوڑنا تم — نہ اس رستہ سے منھ کبھی موڑنا تم
ہم اپنے طریقے پہ ثابت قدم تھے — بزرگوں کے اپنے قدم پر قدم تھے
کسی طرح سے ہم کسی سے نہ کم تھے — سب اقوام میں سربرآوردہ ہم تھے
نہ جب تک طریقہ بزرگوں کا چھوڑا — نہ اقبال و دولت نے منھ ہم سے موڑا

. . . .

یکایک زمانہ نے گردش جو کھائی — اور ادبار و ذلت کی ساعت جو آئی
تو آکر خودی دل میں ایسی سمائی — کہ ہاتھوں سے کھو بیٹھے اپنی کمائی
وہ دولت جو صدہا برس سے تھی ہم میں — گنوائی خودی نے وہ اک دم کی دم میں
خودی نے یہ کانوں میں آکر پکارا — کہ ہے تجربہ تم کو کافی تمہارا
سلف کا پکڑتے ہو تم کیوں سہارا — یہ تکلیف کرتے ہو تم کیوں گوارا
تمہاری سی تحقیق اُن میں کہاں تھی — یہ تدقیق اُن کی نظر سے نہاں تھی

خودی نے سبق آ کے جب یہ پڑھایا | تو شیطان کے ہاتھ بھی وقت آیا
وہ دے دھوکہ اس راہ پر اُن کو لایا | کہ رستہ بزرگوں کا ان سے پھرایا
حدیثوں میں دینے لگے دخل اپنا | لگے کرنے قرآں میں تاویل بیجا
غرض راہ پر اپنی شیطان لایا | خودی نے بھی رنگ اپنا چوکھا جمایا
نہ سوجھا انھیں پھر تو اپنا پرایا | پُرانا وہی راگ شیطاں کا گایا
کہ ہم ہیں سلف سے بہر حال بہتر | کسی امر میں ہم نہیں اُن سے کمتر
بنے مجتہد اور مجدد یہ جاہل | سمجھنے لگے آپ کو سب سے عاقل
مقلد کو کہتے ہیں یہ لوگ غافل | ہے تقلید آرام میں ان کے حائل
غرض باقی پیرو ہیں جو مصطفیٰ کے | شب و روز ہوتے ہیں ان پر تبرے

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکار، اُن کی تحریک کو سمجھنے میں مندرجہ بالا مسدس کے اشعار سے بہت مدد ملتی ہے۔ فاضل بریلوی کو اپنے دینی اور تہذیبی ورثے میں "سوادِ اعظم" ملا۔ انھوں نے اس سوادِ اعظم کو قلب سے لگایا، اپنے ذہن کو اس سے ہم آہنگ کیا اور اس کی خدمت کے لیے اپنے قلم کو رواں کر دیا۔ ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ دینِ مبین اور سوادِ اعظم، جس پر نسل بعد نسل مسلمانانِ عالم بالعموم اور مسلمانانِ ہند بالخصوص قائم تھے۔ اس پر جارحانہ حملہ کرنے والوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد فرمایا۔ اس میں منفی طرز نہیں تھا۔ وہ دلائل اور معقولات کے ذریعے اپنی بات رکھتے تھے، کوئی پھر بھی ہٹ دھرمی کرے تب اُن کا قلم شمشیر بن جاتا۔ اُن کے معترضین نے اُن کی شمشیر زیادہ دیکھی اور اس کی چمک سے آنکھیں اس قدر خیرہ ہو گئیں کہ ان کے علم، ان کے فاضلانہ مقالات ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حق اور انصاف کا یہ تقاضا تھا کہ ان کی شمشیر دیکھنے سے پہلے ان کی علمی تحریروں کا جائزہ لے لیا ہوتا۔

یہاں امام اہلسنت اور امام الہند کے درمیان علمی معرکہ آرائی کو تاریخی سیاق میں سمجھنے اور پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ تمام بحث تحریک خلافت اور عدم تعاون کے اردگرد گھومتی ہے۔ یہ سیاسی تحریکیں تھیں اور ہماری قومی تحریک کا حصہ بھی۔ قومی سیاست اور ملی مسائل اس بات کے متقاضی تھے کہ علماء اجتہاد کریں۔ مسئلہ یہ تھا کہ اجتہاد تقلید کے دائرے میں رہ کر کیا جائے یا تقلید سے آزاد ہو کر۔ امام اہلسنت نے تقلید کا راستہ اختیار کیا اور امام الہند نے تقلید سے ہٹ کر راہ اختیار کی۔ یہی سبب تھا کہ دونوں میں علمی معرکہ آرائی رہی جسے پیش خدمت کتاب میں صحیح تاریخی تناظر میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس طرح معترضین آزادی میں سے ایک اہم گروہ کا نقطۂ نظر محققین کے سامنے مزید تحقیق و جستجو کے لیے پیش کر دیا گیا ہے۔

سید جمال الدین

ڈاکٹر سید جمال الدین

زہے مسٹری و لیڈری و ایڈیٹری
مولانا آزاد کا محاسبہ
بریلوی زاویۂ نظر

اے پسرِ مشرکان بزمزم نرسی
کین رہ کہ تو میروی بہ گنگ و جمن است[1]

یہ ہے وہ طنز اور استہزا جس کا رُخ بریلوی مکتب فکر کے بانی امام احمد رضا خاں نے مولانا ابو الکلام آزاد کی طرف کیا ہے۔ پیش نظر مطالعہ میں اسی طنز اور استہزا کو تاریخی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

'مجدد مائۃ حاضرہ' امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد ہندوستان کی تاریخ اسلام میں دو الگ الگ دھاروں سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فاضل بریلوی مسلکِ اہلسنت پر استقامت کے ساتھ قائم، حنفی مذہب کے پابند اور سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں داخل بیعت اور اجازت و خلافت سے سرفراز تھے۔ مولانا آزاد قدیم مسلکِ اہلسنت سے، جو انھیں موروثی طور پر ملا تھا، منحرف، تقلید سے برگشتہ، اپنے دور کے صوفیا و مشائخ سے بیزار تھے۔ وحدتِ دین مولانا آزاد کا پیغام تھا اور استقامت فی الدین فاضل بریلوی کا۔ دونوں کی کامیابی کا معیار اگر ان کے پیروؤں کے اعداد و شمار پر کیا جائے تو فاضل بریلوی کامیاب قرار دیے جائیں گے۔ مولانا آزاد تاریخ کا حصّہ تو ضرور ہیں۔ اُن کی دینیات، اُن کی سیاست، اُن کی قومی تحریک کی رہنمائی، علمی بحث کا

موضوع رہتے ہیں جہاں ان سے اتفاق اور اختلاف کی گنجائشیں بھی ہیں۔ اُن کے عقیدتمند بھی ہیں، اُن کی یاد تازہ رکھی گئی ہے لیکن اُنھیں پیرو نہیں ملے جو ان کے فلسفہ کی تبلیغ، اُن کے وحدتِ دین کے درس کی اشاعت کرتے۔ اس کے برعکس فاضل بریلوی ایک مکتبِ فکر میں تبدیل ہوکر بقائے دوام پاگئے ہیں۔ بلاشبہ اُن کی شخصیت تنازعوں اور مناقشوں سے گھری ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے مخالفین پر بڑھ بڑھ کر وار کیے اور ان کے قلم کی زد پر جو بھی آیا بُری طرح گھائل ہوا:

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ وار وار سے پار ہے

برصغیر میں نیشنلسٹ آزاد کو تغافل اور اہلسنت کے علمبردار احمد رضا کو بقائے دوام نصیب ہوا۔ اس بیان میں کوئی مبالغہ نہیں، بڑی صداقت ہے۔ ہند و پاک میں متعدد مدرسے اور جامعات کی فکری اساس بریلوی افکار پر ہے۔ خانقاہیں مرکزِ اہلسنت بریلی سے اپنی وابستگی پر فخر کرتی ہیں، قادریہ برکاتیہ سلسلہ کی شاخ بن کر سلسلۂ رضویہ برصغیر کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے، بہت سی مذہبی تنظیمیں، ادارے، مکتبے، مدارس و جامعات اور مساجد فاضل بریلوی کے نام سے موسوم ہیں، میلاد کی محفلوں میں اُن کا نعتیہ کلام پڑھا جاتا ہے۔ اُن کا مشہور سلام ؎ مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام کی صدا شہر شہر، قریہ قریہ بلند کی جاتی ہے۔ اُن کے طرزِ فکر پر چلنے والے ائمہ اور خطیب اور مدرس مسجدوں اور جامعات میں اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہے ہیں۔ ان کے اُردو ترجمۂ قرآن کنز الایمان کے متعدد ایڈیشن مختلف سائزوں پر اب تک منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ان کے فتاویٰ (موسوم بہ فتاویٰ رضویہ) حنفی فقہ کے

بہترین ترجمان تسلیم کیے گئے ہیں حتیٰ کہ اُن کے مخالفین بھی ان کے فتاویٰ سے استفادہ کرتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء کے اواخر میں ہم نے عام انتخابات کے موقع پر دیکھا کہ سیاسی جماعتیں بریلوی مراکز سے اپنے اپنے حق میں فتاویٰ اور مکتوبات حاصل کر رہی تھیں۔ ہاں، مولانا آزاد کے نام پر بھی اکیڈیمیاں، کتب خانے، تعلیمی اور ثقافتی ادارے قائم ہوئے۔ لیکن کیا یہ ادارے اُس طرزِ فکر کی حمایت یا تبلیغ و اشاعت کی طرف بھی مائل ہیں جو مولانا آزاد کا طرۂ امتیاز تھا؟ غالباً جواب نفی ہی میں ملے گا۔ امام الہند کا احترام کیا جاتا ہے، اُن کی پیروی یا تقلید نہیں کی جاتی۔

یہاں یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں کو زندگی میں بھی اور بعد وفات بھی لاکھوں کی تعداد میں پیرو ملے لیکن امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کیوں تنہا رہ گئے۔ میری سمجھ میں جواب بہت مختصر ہے کہ فاضل بریلوی امام اہلسنت بن کر مخصوص ہو گئے، انھوں نے تقلید کے اصول پر سختی سے عمل کر کے مقلد بنا دیے۔ مولانا آزاد امام الہند بن کر برصغیر کی وسعتوں میں گم ہو گئے، تقلید سے انحراف کر کے انھوں نے اپنے نظریات کی تقلید کی بھی نفی کا راستہ دکھایا اور نتیجہ یہ کہ وہ مقلد نہیں بنا سکے۔ لیکن یہ نکتہ کسی قدر مفصل بیان ہو جائے تو اُس طنز اور استہزار کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی جس کا ذکر اس مقالے کی ابتدا میں کیا گیا۔

امام الہند اور امام اہلسنت دونوں کی جڑیں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مکتبِ فکر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ امام الہند کے والد مولانا خیرالدین کی تعلیم و تربیت ان کے نانا مولانا منورالدین کے سایۂ شفقت میں ہوئی تھی[۱۲] خود مولانا منورالدین، شاہ عبدالعزیز کے حلقۂ درس میں شامل رہے تھے[۱۳] امام اہلسنت کے پیر و مرشد سید شاہ آل رسول بھی شاہ عبدالعزیز کے تلمیذ تھے[۱۴]۔

لیکن آگے چل کر ایسا ہوتا ہے کہ مولانا آزاد اپنے بزرگوں کے توسط سے چلی آرہی شاہ عبدالعزیز دہلوی کی روایت سے ہٹ گئے تھے. مولانا آزاد کی رائے تھی کہ شاہ عبدالعزیز ہی بعض معاملات اور طریقوں میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے طریقے پر نہیں تھے. عشرے کی شب اُن کے والد جو ذکر شہادت کی مجلس منعقد کرتے تھے اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں :

> ... علی الخصوص عشرے کی شب کو ذکرِ شہادت پر جو بیان ہوتا تھا، وہ نہایت عجیب ہوتا تھا- ہم نے خود دیکھا ہے کہ اُن کے سادہ بیان میں جس قدر گریہ و بکا ہوتی تھی، اُتنی لکھنؤ کی بڑی بڑی مجالسِ عزا کو بھی نصیب نہیں ہوسکتی تھی۔
>
> علمار کو اِن طریقوں سے اتفاق نہ تھا، وہ مثلِ دیگر مجلسی تعینات کے اس اختصاص کو بھی بدعت قرار دیتے تھے اور اس طرح کے غلو کو ایک طرح مخفی تشیُّع سے تعبیر کرتے تھے، جو علمائے اہلسنت میں بھی غیر محسوس طور پر پھیل گیا ہے مگر والد مرحوم اپنے طریقے پر بہت مصر تھے. اُن ہی کے بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ اہلسنت میں اس طرح سے ذکرِ شہادت کا بیان کرنا، شاہ عبدالعزیز نے شروع کیا تھا، اور یہ بھی منجملہ اُن رسمی معاملات کے ہے، جن کو وقت وعصر سے متاثر ہوکر شاہ صاحب نے اختیار کرلیا تھا، حالانکہ اُن کے والد بزرگوار کا مسلک ان چیزوں کا متحمل نہ ہوسکتا تھا.[۶]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا آزاد شاہ ولی اللہ کے مسلک اور شاہ عبدالعزیز کے طریقوں میں فرق پاتے تھے اور مؤخرالذکر کے طریقوں کی طرف

خود بھی مائل نہ تھے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ولی اللٰہی مکتب فکر سے کئی ایسے سلسلے چلے جو ایک دوسرے کی ضد تھے اور جن کے درمیان مباحث اور مناقشات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ایسے تین سلسلوں کا ذکر مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں کیا ہے، اُن میں سے ایک سلسلہ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں رد بدعت اور توحید خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ ایک اور سلسلہ مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے چلا۔ اس سلسلہ میں توحید خالص اور رد بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کے بجائے براہ راست کتب حدیث سے بقدر فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں رہا اور یہ سلسلہ 'اہل حدیث' کے نام سے مشہور ہوا۔ تیسرے سلسلہ کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "یہ وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی پرانی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اہل السنتہ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علمار تھے۔" اس تیسرے سلسلہ کے علمار نے شاہ عبدالعزیز سے اپنی وابستگی کو برقرار رکھا کیوں کہ علمائے بریلی اور علمائے بدایوں کو یہ تعلق اور نسبت اپنے مشائخ مارہرہ سے ملی تھی۔

شاہ ولی اللٰہی مکتب فکر میں سب سے پہلا نفاق یا رخنہ اُس وقت پیش آیا جب شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب 'التوحید' کو اردو زبان میں تقویۃ الایمان کے نام سے ۱۲۴۰ھ میں شائع کیا۔ اس سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کے دو ہی اہم طبقے تھے اہلسنت وجماعت اور شیعہ۔ تقویۃ الایمان کی اشاعت سے علمائے اہلسنت کے حلقوں میں ہلچل پڑ گئی۔ ایک بریلوی عالم اس کتاب کے ظہور سے پیدا ہونے والے حالات پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: "اس کتاب سے مذہبی آزادی

کا دور شروع ہوا۔ کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہل حدیث کہلایا۔ کسی نے اپنے کو سلفی کہا۔ ائمہ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔ معمولی نوشت وخواند کے افراد امام بننے لگے اور افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوت کی تعظیم واحترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔"[۴۵]

مولانا آزاد نے بھی اُن مسائل کا ذکر کیا ہے جو تقویۃ الایمان کی اشاعت کے بعد علمائے مخالفین کے درمیان زیرِ بحث رہے۔ جیسے "امتناعِ نظیر خاتم النبیین، حقیقتِ بدعت، شہدا و قبور و اموات سے استغاثہ و استمداد، رفع الیدین، حقیقت شرک، توصل الی غیر اللہ، ما اہلّ لغیر اللہ میں تسمیہ کا اعتبار عند الذبح یا اہلال؟"[۴۶]

مولانا آزاد کے والد کے نانا مولانا منور الدین نے ان بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں شاہ اسمٰعیل کے رد میں "سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منور الدین نے دکھائی۔"[۴۷] نہ صرف یہ کہ انھوں نے رد میں متعدد کتابیں لکھیں بلکہ ۱۲۴۸ھ میں مشہور مباحثہ جامع مسجد بھی منعقد کیا۔ تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کروایا اور حرمین سے بھی فتویٰ منگوایا۔[۴۸] اس مسئلے میں علامہ فضل حق خیرآبادی، شاہ فضلِ رسول بدایونی اور مولانا خیر الدین بھی پیش پیش تھے اور اُن کا بھی وہی موقف تھا جو مولانا منور الدین کا تھا۔ تقویۃ الایمان کے بطن سے جو مسائل پیدا ہوئے اُن میں اہم ترین مسئلہ امکان کذب باری تعالیٰ و مسئلہ امکان نظیر خاتم النبیین تھے۔ لیکن ان مسائل کی وجہ سے مباحثوں اور مناقشوں کا جو سلسلہ چلا وہ تیرہویں صدی ہجری کے اواخر تک علما ہی تک محدود رہا۔[۴۹] (مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۱۳۲۲ھ)، مولانا مفتی عبد اللہ ٹونکی نے شاہ اسمٰعیل دہلوی کے رد میں رسالے لکھے۔ فاضل بریلوی نے بھی رد میں رسالہ لکھا جس کا عنوان تھا "سُبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح")

چودہویں صدی ہجری میں بھی ان مسائل کو لے کر جو شاہ اسمٰعیل دہلوی نے

پھیر دبے تھے مباحث جاری رہے۔ علمار دیوبند نے شاہ اسمٰعیل کے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی تحریروں میں بعض ایسی عبارتیں شامل کردیں جو عقائد اہلسنت کے خلاف تھیں۔ حالانکہ دارالعلوم دیوبند کی اساس میں حنفی مذہب کے ساتھ شعار وفاداری کی روایت شامل تھی لیکن بالخصوص تصور رسالت کو لے کر فاضل بریلوی نے دیوبند کے اُن علما کا تعاقب کیا جن پر اُن کا الزام تھا کہ وہ اہانت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتکب ہیں۔ انھوں نے اصرار کیا کہ علمائے دیوبند توبہ اور رجوع کریں۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو انھوں نے اُن کی تکفیر کی۔ دیوبندی علمار امت رسول اللہ سے خارج قرار دیے گئے۔ اور وہ اور اُن کے پیرو نجدی یا وہابی کہلائے جانے لگے کیونکہ اُن کے عقائد وافکار کا ماخذ شاہ اسمٰعیل دہلوی کے توسط سے دراصل محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے۔ نجدیوں وہابیوں کو جہنم کا مستحق قرار دیا گیا۔ فاضل بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں بھی ایسے ہی شدید جذبات کا اظہار کیا:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

فاضل بریلوی نے چونکہ اہلسنت وجماعت کے قدیم مذہب سے ذرّہ

برابر بھی انحراف نہیں کیا اسی لیے اُن کا اصرار تھا کہ درحقیقت وہی سنّی ہیں۔ اس طرح سنّی اور وہابی کی اصطلاحیں عام ہوگئیں۔ بریلی کی نسبت سے مخالفین نے سنّیوں کو بریلوی کہنا شروع کر دیا۔ لیکن بریلیوں نے اپنے کو ناجی قرار دیا۔

وہ فرقہ ہے ناجی یہ اہلِ جماعت ۔۔۔ کہ جن کا ہے مسلک کتاب اور سنّت
محمد کی جن پر ہے بے حد عنایت ۔۔۔ بڑی جن کی دربارِ حق میں ہے عزّت
ہمیشہ یہ دیں پر ہی قائم رہیں گے ۔۔۔ کسی کے نہ بہکانے سے یہ ڈگیں گے

فاضل بریلوی متمول زمیندار خاندان کے فرد تھے۔ اسی لیے خود اپنے خاص صرفے سے انھوں نے بریلی کو اہلسنت کے مرکز میں تبدیل کر دیا۔ ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ دارالافتار قائم کیا۔ علمائے دیوبند اور دوسرے مخالف علمار نے جس طرح خانقاہی نظام پر حملے کیے اُس سے خانقاہوں کو بہت دھکا پہنچا تھا شاید اسی لیے مختلف خانقاہوں کے صاحبزادگان اور پیرزادگان امام اہلسنت کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔ خانقاہی نظام کو جو قوت اور توانائی امام اہلسنت سے حاصل ہوئی اُس کا اعتراف ایک صوفی خانوادہ کے شیخ طریقت خواجہ حسن نظامی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

اُن کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا (احمد رضا خاں) کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ مگر شاید اُن لوگوں نے اسمٰعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اُس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم

لکھا ہے. جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے موصوف کو اپنا بہادر،
صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل
جائز سمجھتی ہے[۱۳]

اہل سنت وجماعت کے قدیم مذہب کی پیروی اور خانقاہی نظام سے وابستگی کے باعث امام اہلسنت کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہوگیا تھا.

فاضل بریلوی کی طرح مولانا آزاد بھی سنّی حنفی خانوادہ سے وابستہ تھے. اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ اُن کے والد کے نانا مولانا منورالدین نے شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد کے رد میں نمایاں رول انجام دیا. مولانا آزاد کے والد مولانا خیرالدین بھی وہابیوں کے شدید مخالف تھے. اس کی تفصیل مولانا آزاد ہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہوگا:

ابتدا ہی سے اُن کی (مولانا آزاد کے والد کی) طبیعت میں وہابیوں کے متعلق سخت تعصب قائم ہوگیا تھا اور یہ آخر تک بڑھتا ہی گیا. اس بارے میں اُن کی طبیعت کا کچھ عجیب حال تھا. ہر طرح کی رسوم، ہر طرح کی بدعات، جو سخت سے سخت آخری درجے کی کہی جاسکتی ہیں، ان سب کی وہ توجیہیں کرتے تھے اور کسی کو بھی قابلِ رد اور قابلِ اعتراض نہ قرار دیتے تھے اور اگر کوئی ذرا سا بھی ان پر اعتراض کرے تو اس کو وہابیوں کی طرف منسوب کردیتے تھے. بعد کو میں نے دیکھا تو اس بارے میں متقدین حنفیہ کے جو مختلف حلقے نظر آتے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ تنگ حلقہ ان کے مشرب کا تھا اور ہندوستان کے گذشتہ علماء میں صرف مولوی فضل رسول بدایونی، جنھوں نے تقویۃ الایمان کے رد میں سوط الرحمن لکھی ہے، ٹھیک اسی رنگ پر تھے جو

اس بارے میں والد مرحوم کا تھا۔ ان کے علاوہ ہندوستان کا
کوئی سخت سے سخت حنفی عالم بھی ان کے معیارِ حنفیت پر نہیں
اتر سکتا تھا۔[۱۴]

مولانا خیر الدین کی کسی کو حنفی پرکھنے کی کسوٹی بہت سخت تھی۔ مولانا آزاد
کا بیان ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بھی اس کسوٹی پر نہیں اُترے۔ لکھتے ہیں:

غالباً ۱۹۰۱ء کی بات ہے کہ مولوی احمد رضا خاں
بریلوی ان سے ملنے کے لیے کلکتہ آئے، جن سے اُن کے برابر
تعلقات رہے تھے اور بارہا ہم لوگوں سے کہا تھا کہ یہ شخص
بلاشبہ صحیح الاعتقاد ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھ
بعض اپنی تصانیف لائے، اور چونکہ شیخ احمد دحلان، والد کے
خاص دوست تھے اس لیے اُنھوں نے خاص طور پر اپنا ایک رسالہ
دیا جو ان کے رد میں لکھا اور اُس میں عدمِ ایمان ابوین آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان ابوطالب پر زور دیا تھا۔ چنانچہ اس
پر کچھ دیر تک والد نے اُن کا ایسا تعاقب کیا کہ آخر وہ ہکا بکا
رہ گئے اور خاموش چلے گئے۔ جانے کے بعد ہم سے کہا کہ اس
شخص کے عقیدے میں بھی فتور ہے۔[۱۵]

مجھے مولانا آزاد کے اس بیان کو بعینہٖ تسلیم کرنے میں کچھ تامل ہے کیونکہ
انھوں نے دو ایسے علمائے بدایوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ جن سے ان کے والد کو خاص
تعلق تھا اور جنھیں وہ اپنا ہم عقیدہ تصور کرتے تھے، یعنی مولانا فضل رسول اور مولانا
عبد القادر۔ فاضل بریلوی کی طرح یہ دونوں بدایونی علما بھی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے
متوسلین میں سے تھے۔ اور اس طرح برکاتی نسبت اُن میں قدرِ مشترک تھی۔ علاوہ ازیں

مولانا آزاد کا یہ بیان پڑھنے کے بعد کہ ان کے والد "علمائے حال میں مولانا عبدالقادر بدایونی کی تعریف کرتے تھے اور ان کی حنفیت پر معترض نہ تھے" [۲۵] پچھلے بیان کو تسلیم کرنے میں پس و پیش ہوتا ہے کیونکہ انہی مولانا عبدالقادر بدایونی کے صاحبزادہ مولانا عبدالمقتدر بدایونی ہیں جنھوں نے ۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے ایک عام جلسہ فاضل بریلوی کو 'مجدد مائۃ حاضرہ' کا لقب دیا تھا ظاہر ہے مولانا عبدالمقتدر کو فاضل بریلوی کی حنفیت پر پورا اعتماد رہا ہوگا۔

مولانا آزاد کو اپنے خاندانی ماحول میں وہابیوں سے شدید نفرت ورثہ میں ملی تھی جسے بعد میں انھوں نے ترک کر دیا لیکن اس نفرت کی کیا نوعیت تھی اس کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

> ... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرا تخیل یہ تھا کہ وہابی کوئی خاص طرح کا ایک بڑا ہی مکروہ اور قابل نفرت مخلوق ہے۔ [۲۶]

> ... جب ذرا اور بڑے ہوئے تو والد مرحوم کے وعظ اور گھر کی باتوں کو بھی خوب سمجھنے لگے۔ ہمیشہ وہابیوں کے عقائد کا رد رہتا تھا... رد ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا جس کے صاف معنیٰ اُن پر لعن اور اُن کی تکفیر کے تھے۔ ہم نے سیکڑوں مرتبہ والد مرحوم سے سُنا کہ اُن کا کفر، یہود و نصاریٰ کے کفر سے بھی اشد ہے... [۲۷]

× × ×

بہرحال بچپن میں جو تعریف وہابیت کی ہمارے دل پر نقش

ہو گئی تھی وہ یہی تھی۔ وہابیوں کا دشمن اسلام ہونا، خاصتہً آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُن کا بغض، آنحضرت کی تحقیر، اولیا، اللہ سے دشمنی، تمام عقائد اسلامیہ سے انکار، اور اس طرح کی صدہا باتیں تھیں جو بطور یقینیات کے کہی جاتی تھیں .... یہ بات کہ وہابی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں، ایک ایسا مُسلّم واقعہ تھا، جو بلا کسی تمہید و استدلال کے ہمیشہ بولا جاتا تھا۔[۱۹]

ہمیں اس وقت یقین تھا کہ وہابی اُن لوگوں کو کہتے ہیں، جو اوّل تو نبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فضیلت کے قائل ہی نہیں، اگر قائل ہیں بھی، تو صرف اتنے جیسے چھوٹے بھائی کے لیے بڑا بھائی۔ معجزات کے بھی منکر ہیں۔ ختم نبوت کے بھی قائل نہیں۔ آنحضرتؐ سے تو اُن کو ایک خاص بغض ہے۔ جہاں کوئی بات اُن کی فضیلت و منقبت کی آئی اور انھیں مرچیں لگیں۔ مجلس میلاد کے اسی لیے منکر ہیں کہ اس میں آنحضرتؐ کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔ قیام کے لیے اس لیے منکر ہیں کہ اس میں آنحضرت کی تعظیم ہے درود پڑھنے کو بھی بُرا جانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ مت کہو، کیونکہ رسول اللہ کی یاد انھیں کیوں پسند آنے لگی! جہاں کوئی بات رسولؐ کی فضیلت، اولیاء اللہ کی منقبت، بزرگانِ دین کی کہی جائے یا کی جائے، فوراً اسے شرک و بدعت کہہ دیتے۔ اس لیے کہ انھیں ان سب سے بغض و کینہ ہے، اور ان

کی توہین و تذلیل اُن کو خوش آتی ہے! بحیثیت مجموعی وہابیوں کے بدترین خلائق ہونے، کافر ہونے، کافروں میں بھی بدترین قسم کے کافر ہونے میں کسی ردوکد کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مولانا آزاد نے اس طرح کے خاندانی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ یہ ماحول لازمی طور پر اُن کے والد اور والد کے نانا منورالدین کا بنایا ہوا تھا اور اِس میں فاضل بریلوی کا کوئی دخل نہیں تھا جو مولانا آزاد کے مطابق اُن کے والد کی حنفیت کی کسوٹی پر پوری طرح نہیں اُترے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فاضل بریلوی کی نظروں میں بھی وہابیوں کی ایسی ہی تصویر تھی جیسی کہ مولانا آزاد کو اُن کے خاندان میں دکھائی جاتی تھی۔ حدائق بخشش میں ایسے متعدد اشعار ملیں گے جنھیں یکجا کر دیا جائے تو اُن سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہابیوں پر کیسی کیسی چوٹیں کی جاتی تھیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
اُف رے مُنکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی
سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے اُلجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے
رہے گا یوں ہی اُن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے
تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بیدینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے
ظالمو، محبوب کا حق تھا یہی
عشق کے بدلے عداوت کیجئے
میٹھے میٹھے حضور پاک سے
التجا و استعانت کیجئے
یا رسول اللہ دہائی آپ کی
گوشمالِ اہلِ بدعت کیجئے

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے
یارسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا

مگر خدا پہ جو دھبہ دروغ کا تھوپا
یہ کس لعین کی غلامی کا داغ لے کے چلے
وقوع کذب کے معنی درست اور قدوس
ہیئے کی پھوٹے عجب سبز باغ لے کے چلے
جہاں میں کوئی بھی کافر سا کافر ایسا ہے
کہ اپنے رب پہ سفاہت کا داغ لے کے چلے

اہلسنت وجماعت سے منحرف وہابیوں کی طرف سے مولانا آزاد کے دل میں تو ہمدردی پیدا ہوگئی اور بچپن میں جو اُن کے ذہن پر نقش بنا تھا وہ دُھل گیا۔ لیکن فاضل بریلوی کی تمام زندگی کا مشن ہی یہ بن گیا تھا کہ وہ وہابیوں کا رد کریں اُنھیں عقائد اہلسنت کا دفاع کرنا تھا اور اہلسنت وجماعت کو ایک مرکز پر رکھنا تھا۔ مولانا آزاد اپنے آبائی مذہب سے جو تقلید کے اصول پر مبنی تھا ہٹ چکے تھے۔ بریلوی، مولانا آزاد کو اہلسنت وجماعت یا علمائے اہلسنت میں کیسے شمار کرسکتے تھے جب کہ خود مولانا اپنا ایک علیٰحدہ راستہ منتخب کر چکے تھے وہ معتزلہ، ابن تیمیہ، ابن خلدون شاہ اسماعیل دہلوی، سرسید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی غرض ہر اُس فکر اور مفکر کی طرف میلان اور خوش عقیدگی رکھتے تھے جنھیں بریلوی اہلسنت کے حلقے سے خارج سمجھتے تھے۔ یہی وجوہات رہی ہوں گی کہ علمائے اہلسنت یا بریلوی علماء نے

انھیں مسٹر آزاد کا لقب دیا. جسے امام الہند ہونے کا دعویٰ ہو وہ اس لقب میں پوشیدہ طنز واستہزار کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

بریلیوں نے دیکھا کہ مسٹر آزاد سیاست میں بھی عمل دخل رکھتے ہیں اور حالانکہ ملکی سیاست فاضل بریلوی کے دائرۂ عمل میں شامل نہیں تھی لیکن وہ اس صورت میں خاموش نہیں رہ سکتے تھے جب سیاست کو مذہب سے جوڑا اور اس مقصد سے مذہب کی توضیح وتشریح کے لیے غیر رسمی طریقہ اختیار کیا جارہا ہو۔ جنگ آزادی کی تاریخ کے دو مرحلے ایسے ہیں جب بریلیوں نے بھی ملکی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ایک تو خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں کے موقع پر اور دوسرے قیام پاکستان کے مطالبہ کو لے کر دونوں ہی بار سیاست اور مذہب ایک دوسرے میں گتھے ہوئے تھے۔ دس سال قبل میں نے جامعہ ہی میں ایک سیمینار میں مقالہ پیش کیا تھا جس کا عنوان تھا: 'دی بریلویز اینڈ دی خلافت مومنٹ' جو بعد ازاں مشیر الحسن کی مرتب کی ہوئی کتاب کیمونل اینڈ پین اسلامک ٹرینڈس ان کالونیل انڈیا (مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۱ء) میں شائع ہوا۔ اس موضوع پر دس سال کے وقفہ کے بعد بھی میں کچھ اضافہ نہیں کرسکتا البتہ خلافت تحریک کے تعلق سے فاضل بریلوی اور مولانا آزاد کے درمیان جو صف آرائی ہوئی اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرسکتا ہوں۔ اس طرح اس موضوع پر ایک مرتبہ پھر اس بریلوی لٹریچر کو پیش کرسکوں گا جو شائع شدہ ہونے کے باوجود ہمارے مورخین کی نگاہ میں نہیں آیا ہے۔

خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں سے متعلق بریلوی لٹریچر کے سلسلے میں اس طرف خاص توجہ دلانا چاہوں گا کہ 'نظریۂ پاکستان' کی اشاعت میں اس لٹریچر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس مقالے کی تیاری کے سلسلے میں جو پاکستان میں شائع لٹریچر میرے پیش نظر رہا اور جو ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش، مکتبہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۰ء

۲۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات، پروفیسر محمد مسعود احمد، رضا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۱ء

۳۔ اکرام امام احمد رضا، تصنیف مفتی برہان الحق جبلپوری، ترتیب و تحشیہ: پروفیسر محمد مسعود احمد مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۸۱ء

۴۔ دو اہم فتوے، امام احمد رضا بریلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی، ناشر حافظ محمد خاں۔ مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

۵۔ اندھیرے سے اجالے، محمد عبد الحکیم شرف قادری، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۹۸۵ء

۶۔ الطاری الداری لہفوات عبد الباری (تین حصے) مولفہ محمد مصطفےٰ رضا خاں، اشاعت نو انجمن ارشاد المسلمین، لاہور، ۱۹۸۳ء

۷۔ دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، خواجہ رضی حیدر اور حاجی احمد مجاہد، کراچی، ۱۹۸۲ء

۸۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، پروفیسر مسعود احمد، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ۱۹۸۱ء

۹۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولفہ، مقبول جہانگیر، بزم اعلیٰ حضرت، کراچی، ۱۹۸۱ء

۱۰۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر مسعود احمد، لاہور، اگست ۱۹۸۷ء

پاکستان میں مذکورہ بالا اشاعتوں کے ذریعہ ان کے ناشر اور مرتب یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی نے متحدہ قومیت کے تصور کو تسلیم نہ کرکے 'دو قومی نظریہ' کی بنیاد ڈالی اور اس عمل میں وہ علامہ اقبال اور محمد علی جناح سے سبقت لے گئے۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات (مؤلفہ پروفیسر محمد مسعود احمد) میں 'عرض حال' کے عنوان سے عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری مظہری نے اس ضمن میں

جو استدلال پیش کیا ہے وہ قابلِ غور ہے:

اسلام کو ہندو مت میں مدغم کرنے کی تحریک کا منحوس سہرا، مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے سر ہے۔ اُس دور میں جب اس منصوبے نے زور پکڑا تو امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف جہاد کیا اور دوسری طرف خاتم المحققین شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کو منضبط کرنے کی بے مثال خدمت انجام دی تاکہ مسلمان اپنے برحق دین کی تعلیمات سے واقف ہو کر "فتنۂ دین الٰہی" سے محفوظ و مامون رہ سکیں۔

چودھویں صدی (ہجری) کے اوائل میں انگریزی اقتدار کے زیر اثر اس تحریک نے پھر زور پکڑا تو مسلمانوں کے کتنے ہی لیڈر اور علمار اس سازش کے سیلاب میں بہنے لگے اور اپنے ساتھ سادہ لوح مسلم عوام کو بھی بہا لے گئے۔ مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور جناب محمد علی جناح جیسے بیدار مغز مشاہیر بھی اس وقت ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔

لیڈر حضرات جو اس اتحاد پر زور دیتے تھے اُن کی آواز پر تو مسلمانوں نے کان نہ دھرے لیکن اس سازش کی جڑیں اس وقت مضبوط ہوگئیں جب بہت سے علمار اس نظریہ کے قائل بلکہ مبلغ بن کر گاندھی کو اپنا امام بنا بیٹھے۔ نوبت

بایں جارسید کہ ایک مشہور عالم (مولانا عبدالباری فرنگی محلی)

نے یہاں تک کہہ دیا ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت رفتی و نثار بت پرستی کردی

اس پُرفتن عہد میں جب اکبری دور کی فتنہ سامانیوں کی

کی تجدید ہونے لگی تو شیخ احمد سرہندی اور محقق دہلوی رحمہما اللہ

کی طرح جس مردِ حق آگاہ نے اس ناپاک منصوبے کے خلاف

عَلمِ جہاد بلند کیا وہ امام احمد رضا خاں بریلوی تھے۔ مرکزِ دائرۂ

علوم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ

سے بھی مسیحائے قوم اور ناخدائے کشتیٔ ملت ثابت ہوئے

انھوں نے "دو قومی نظریہ" کو قرآن وحدیث کی روشنی میں خواص و

عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس اتحاد کے خلاف عملی

اور قلمی دونوں طرح جہاد کیا....

....اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو "دو قومی

نظریہ" کے اس دور میں اوّلین علمبردار فاضل بریلوی ہی تھے۔[۱۲]

فاضل بریلوی کا انتقال ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ 'دو قومی نظریہ'، جو تحریک پاکستان

کی اساس بنا تاریخی اعتبار سے اس کے کہیں بعد کا ہے لیکن پاکستان میں اس

طرح کی تحریر کی اشاعت کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو جیسا کہ اوپر بتایا گیا یہ

کہ اس سے 'نظریۂ پاکستان' کو استحکام ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حالانکہ تحریک پاکستان

میں فاضل بریلوی کے تلامذہ اور خلفاء نے صدرالافاضل مولوی سید نعیم الدین کی قیادت

میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں تاہم قیامِ پاکستان کے بعد ان کی خدمات کو فراموش کر دیا گیا۔ تاریخ نگاروں نے بھی طبقاتی تعصب کا اظہار کیا اور بریلوی علماءُ کا ذکر پاکستان کے قیام کی تاریخ میں نہیں ہوا۔ اس احساس نے پاکستان کے بریلوی دانشوروں میں یہ تحریک پیدا کی کہ بریلوی علماء کو "دو قومی نظریہ" کا حامی بنا کر پیش کیا جائے[۴۲]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فاضل بریلوی کے مشاہیر تلامذہ اور خلفاء میں سے بیشتر مسلم لیگ کی ہمنوائی میں مطالبۂ پاکستان میں شریک تھے لیکن خود فاضل بریلوی کا تو اس سے تعلق نہیں بنتا تھا۔ البتہ ہندو مسلم اتحاد سے متعلق ان کے افکار اس سمت میں موڑے جا سکتے ہیں۔ اور موڑے بھی گئے۔

خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں کے مقاصد اور لائحۂ عمل کے سلسلہ میں ان کے قائدین کے خیالات سے قطعِ نظر یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ بریلوی علماء ان تحریکوں کے مقاصد اور طریقۂ عمل کے بارے میں کیا سمجھ رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ شعائرِ دینی جیسے قربانی گاؤ کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اصل مقصد خلافت کی حفاظت نہیں سوراج ہے اور چونکہ ملک کی اکثریت ہندوؤں کی ہے لہٰذا سوراج کا مطلب ہندو راج ہوگا، خلافت مذہبی تحریکوں ہے تو اس کی قیادت ایک مُشرک کے سپرد کیوں کی گئی ہے، مُشرک کو منبرِ رسول پر کیوں بٹھایا گیا، کیوں مسلم لیڈروں نے قشقہ لگوایا، اور مُشرک کی ٹکٹکی اٹھائی۔ بریلوی علماء کو اس بات سے زیادہ تشویش تھی کہ بدایونی اور فرنگی محلی علماء آخر کیوں ان تحریکوں میں ساتھ ہیں جب کہ وہ اُن ہی کی طرح اہلسنت اور حنفی المذہب ہیں۔ اسی لیے فاضل بریلوی نے خاص طور سے مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا تعاقب کیا اور بالآخر اُن سے توبہ کروا ہی لی۔

اس توبہ نامہ کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

"مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ، مجھے ان پر ندامت ہے۔ زبانی، تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنھیں میں نے گناہ تصور نہیں کیا تھا۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انھیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ اُن سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیے پیش رووں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں اُن کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خاں کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔"[۳۴]

سیاست میں مذہبی اصطلاحوں کے استعمال نے نیشنلسٹ مسلمانوں کے لیے بہت پریشانیاں کھڑی کیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں ان آیات کریمہ پر زور دیا گیا۔ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(ترجمہ: اللہ تمھیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔ اللہ تمھیں انھی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے

یا تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا یا تمھارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو اُن سے دوستی کرے تو وہی ستمگار ہیں۔[9] الممتحنہ سورۃ ۶۰ آیات ۸ و ۹)

مولانا آزاد نے ان آیات پر خصوصی طور پر توجہ کی۔ آگرہ میں مجلس خلافت منعقدہ ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے انھوں نے واضح کیا کہ ترکِ موالات کے ضمن میں قرآن کے کیا احکام ہیں: "موالات ولایت سے ہے۔ ولایت کے معنی ہیں محبت، اعانت اور نصرت کے۔ تو ترکِ موالات کے معنی ہوئے مددگاری کے ہر طرح کے تعلقات کو منقطع کر لینا۔ جب تک وہ جماعت اپنے ظلم سے باز نہ آئے۔ اس حکم کی بنا پر قرآن مجید نے تمام قوموں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ چنانچہ اس کی تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ہے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ دو قسم کی قومیں دنیا میں پیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو وہ غیر مسلمان قومیں جو مسلمانوں پر حملہ نہیں کرتیں، مسلمانوں کی حکومت اور خلافت پر حملہ نہیں کرتیں۔ ایسی غیر مسلم قومیں کہ نہ تو جنھوں نے حملہ کیا ہے اور نہ مسلمانوں کی آبادیوں اور بستیوں پر حملہ کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی قوموں کے لیے ایک لمحہ کے لیے قرآن مسلمان کو نہیں روکتا کہ اُن کے ساتھ وہ مصالحت نہ کریں اور بہتر سے بہتر اچھے سے اچھا سلوک نہ کریں لیکن جن غیر مسلمان قوموں کے ساتھ قتال کریں، مسلمانوں کو ان کی بستیوں سے نکالیں۔ ایسی غیر مسلمان قوموں کی نسبت بلاشبہ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے جائیں ....

قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ ایسی غیر مسلمان قوموں کے ساتھ کوئی ایسا تعلق، جو محبت، دوستی، صلح، وفاداری کا ہو اور ہر طرح کی اعانت و نصرت کا ہو نہیں رکھ سکتا۔"[24]

اسی خطبۂ صدارت میں آگے چل کر مولانا آزاد نے سورۂ ممتحنہ کی رو سے برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں کے مقابلے میں فریق محارب ثابت کرتے ہوئے کہا:

مسلمانوں کے لیے یہ قریب قریب کفر ہو گیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنی استطاعت کے اندر محبت و اعانت، وفاداری اور اطاعت کا کوئی تعلق رکھیں۔ اور اگر وہ کوئی تعلق اس طرح کا رکھیں گے تو ایک منٹ کے لیے ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کی صف میں جگہ دیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ جو مسلمان ایسے وقتوں اور ایسی حالتوں میں محارب قوم کے ساتھ رشتۂ موالات رکھے گا۔ اگرچہ وہ زمین میں اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا شمار مومنوں میں نہ ہوگا، کفار میں ہوگا۔[۵۵]

اس طرح کے فتوے کا جواب بریلوی حلقہ سے دیا جانا ضروری تھا کیوں کہ مولانا آزاد کی بات سے انکار کی صورت میں معاملہ تکفیر پر ختم ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی کا فتویٰ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۹ھ) رسالہ کی شکل میں شائع ہوا جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا کہ ہندوستان کے مشرکین، حربی کفار ہیں ان سے وداد و اتحاد اس آیت کریمہ کے تحت نہیں آتا۔[۵۶]

فاضل بریلوی کے تلمیذ اور خلیفہ محمد سلیمان اشرف نے اس موضوع پر طویل بحث کی جس کا خلاصہ انھوں نے یہ پیش کیا:

(۱) کافر کے ساتھ دلی دوستی اور قلبی محبت کفر ہے۔

(۲) دل میں کافر کی دوستی نہیں لیکن عمل دوستوں کے مانند و مثل یہ حرام ہے۔

(۳) قلب محبت کفر و کفار سے پاک. بلکہ بیزار لیکن کافر کے مذہبی اعمال میں عملاً شرکت کی جائے یہ حرام ہے۔

(۴) کافر کے دین کی حمایت حرام ہے۔

(۵) کافر کی ایسی مدد کرنا جس سے دین اسلام یا مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

(۶) کافر سے ایسی مدد لینا جس میں اپنے دین یا اپنے دینی بھائیوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

(۷) مدارات فعل جمیل عمل معروف بر و احسان اور عدل و انصاف ہر حال میں جائز ہیں بلکہ بعض کفار کے ساتھ احسن و انسب۔

(۸) دنیاوی کاروبار اور لین دین ہر کافر حربی اور غیر حربی سے جائز. کسی بھی وقت حرام نہیں۔

(۹) ان احکام میں کفار ہند اور کفار یورپ سب مساوی ہیں. بجز اس کے کہ کفار اہلِ کتاب کا کھانا کھانا اور نکاح میں کتابیہ عورت کا لانا. بموجب حکم قرآن پاک مباح و جائز ہے اس کے سوا جملہ احکام شرعیہ کفار اہلِ کتاب و کفار غیر اہلِ کتاب دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ ؎۳۵

مولانا سلیمان اشرف نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دراصل ’مفتیانِ سیاسی‘ نے سورۃ الممتحنہ کی تشریح کے سلسلہ میں بڑی خیانت سے کام لیا ہے۔ اگر ہم اس سلسلہ میں مولانا آزاد کے اوپر ذکر کیے گئے خیالات کو ذہن میں رکھیں تو ’سیاسی مفتیان‘ سے مولانا سلیمان اشرف کا اشارہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"موالات کے سیاسی مفتیوں نے دو ترجمے کیے ہیں ایک محبت و دوستی اور دوسرا مناصرۃ (یعنی مدد دینا یا مدد لینا) مفتیان سیاسی مناصرۃ سے مطلق مدد دینا یا لینا ارادہ کرتے ہیں تاکہ نان کوآپریشن کے حدود دائرۂ شریعت میں آجائیں اور یہی اُن کی خیانت ہے۔ موالات جب مناصرۃ کے معنی میں لیا جائے گا تو وہاں نصرۃ علی المومنین مراد ہوگا یعنی ایسی مدد جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو یا نصرۃ الکفر مراد ہے یعنی کفر کی مدد۔[۱۸] البتہ مولانا سلیمان اشرف یہ واضح کرتے ہیں کہ "معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی امور میں مناصرۃ ہرگز ہرگز ممنوع نہیں۔"[۱۹]

مولانا سلیمان اشرف یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مفتیان سیاسی درحقیقت کفار ہند سے موالات پیدا کرنے کی خاطر یہ فریب آمیز مغالطہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ "آیاتِ الٰہیہ پکار پکار کر یہ حکم دے رہی ہیں کہ مطلقاً کفار سے موالات اور وداد حرام ہے۔"[۲۰] وہ کسی قدر حوصلہ کر کے یہ بھی کہتے ہیں کہ "موالات یا مناصرۃ کے اگر یہ معنی جو مفتیان سیاسی اختراع کر رہے ہیں لیے جائیں تو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خود صاحب وحی و کتاب شارع علیہ السلام نے کفار سے یہود سے بطرز گوناگوں موالات پیدا کی۔"[۲۱]

ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنے کی خاطر آیات قرآنی کا سہارا لینے کے علاوہ بعض ایسے عملی اقدامات بھی کیے جا رہے تھے اور اقوال کہے جا رہے تھے جن پر بریلی مکتب کے علماء کو سخت اعتراض تھا۔ انھوں نے ان اقدامات اور اقوال کو خلاف دین ثابت کیا اور یہ بتایا کہ ہندو مسلم اتحاد مسلمانانِ ہند کو کس طرف لے جا رہا تھا۔ فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ میں ان امور کی نشاندہی کی جن سے اُن کی نظر میں

دین کی خلاف ورزی ہوتی تھی :

(۱) گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ۔

(۲) خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی گاؤ۔

(۳) قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔ دونوں کی پوجا کرو۔

(۴) نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے۔

(۵) ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھادے گا۔

(۶) دوسرا جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے اور اس میں خلفائے راشدین، حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بجائے گاندھی جی کی مدح "مقدس ذات" "ستودہ صفات" وغیرہ الفاظوں کے ساتھ گاتا ہے[۲۲]

بریلی مکتب فکر کے دوسرے علما بھی ہندو مسلم اتحاد سے پیدا ہونے والی صورت حال سے متفکر اور متنفر تھے۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ مولانا سلیمان اشرف، استاد دینیات ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ نے بھی اپنے رسالے الرشاد میں ان امور کا ذکر فرمایا جنھیں وہ خلاف مذہب سمجھتے تھے :

(۱) ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔

(۲) مسلمان مندروں میں گئے، وہاں دعائیں کیں، قشقہ لگوایا۔

(۳) گاندھی جی کے حکم سے ستیہ گرہ کے دن روزہ رکھا۔

(۴) وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔

(۵) کرشن جی کو حضرت موسیٰ کا لقب مان لیا گیا۔

(۶) بدایوں کے ایک جلسے میں ایک ہندو مقرر نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان رام لیلا منائیں، ہندو محرم منائیں۔[33]

مولانا محمد سلیمان اشرف نے مسلمانوں کی اس روش پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے یہ رباعی فارسی میں تحریر فرمائی:

دارم دلکے غمیں، بیا مزدہ مپرس
صد واقعہ درکمیں، بیا مزدہ مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم
یا اکرم الاکرمیں، بیا مزدہ مپرس[34]

بریلی مکتب ہی کے مولانا محمد میاں قادری مارہروی نے تحریک خلافت کے مقابل بریلوی تنظیم 'انصار الاسلام' کے جلسے منعقدہ بریلی ۲۲ر شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں اپنے صدارتی خطبے میں اُن امور کی طرف اشارہ کیا۔ جو ہندو مسلم اتحاد کے مدعیان کے رہین منت تھے:

۱۔ قشقہ لگوانا۔

۲۔ مشرکوں کی جے پکارنا۔

۳۔ رام لچھمن پر پھول چڑھانا۔

۴۔ رامائن کی پوجا میں شریک ہونا۔

۵۔ ارتھی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ لے جانا۔

۶۔ مشرک میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور وہ بھی مسجد میں۔

۷۔ مسجدوں میں مشرکوں کی تعزیت کے جلسے کرنا۔

۸۔ اللہ کو رام کہنا۔

۹۔ خطبہ جمعہ میں مشرک کی تعریف کرنا۔

۱۰۔ دسہرے میں شریک ہونا۔

۱۱۔ سنکھ بجانا۔

۱۲۔ قربانی گاؤ کو بھینٹ چڑھانا۔

۱۳۔ قاتل مشرکوں کی رہائی کی کوشش کرنا۔

۱۴۔ قربانی کی گائے زبردستی چھین کر اس کو گؤشالہ پہنچانا۔[۳۵]

مولانا محمد میاں نے مندرجہ ذیل رباعیات میں ہندو مسلم اتحاد کے مدعیان کی کوششوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

یہ لیڈر یہی سوچا کرتے ہیں چالیس	کہ اک مذہب ایسا نیا یہ نکالیں
مسلمان و مشرک کو جس سے ملا دیں	جو ہے باہمی فرق اُس کو مٹا دیں
ہے پریاگ و سنگم بتوں کا جو معبد	مقدس بنائیں اُسے، ہے یہ مقصد

...

مسلماں خلافت کی کرلیں گے خدمت	ہمیں تو ہے بس ہندوؤں سے محبت
انھیں آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے خلافت	تو ہم خوب اس کی بنائیں گے دُرگت
خلیفہ اگر ہندوؤں سے لڑیں گے	تو اک ہندو کے بدلے ہم دس کٹیں گے

ایسا نہیں ہے کہ مولانا آزاد سیاسی معاملات میں مذہبی اصطلاحوں اور استعاروں کے استعمال سے پیدا ہونے والے خطرات سے واقف نہیں تھے۔ ایسا موقع بھی آیا تھا جب مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علماء ہند کا ایک کھلا جلسہ خود مولانا

آزاد کی زیر صدارت منعقد ہوا اور اس میں جماعت رضائے مصطفےٰ کے مولویوں نے اُن کا خوب ڈٹ کر مواخذہ کیا اور مولانا بے بس ہو گئے۔[۳۵] اس جلسہ کے سلسلہ میں جو اشتہارات شائع ہوئے تھے اُن میں اعلان کیا گیا تھا کہ مخالفین پر اتمام حجت کیا جائے گا۔ جواباً تلمیذ فاضل بریلوی صدرالشریعہ مولانا امجد علی کے مرتب کردہ ستر سوالات بعنوان "اتمام حجت نامہ" شائع کر کے خلافت کمیٹی تک پہنچا دیے گئے۔ مولانا آزاد نے فاضل بریلوی کو جلسہ میں شرکت اور رفع منازعت کی دعوت دی۔ لیکن اس سے پہلے ہی 'جماعت رضائے مصطفےٰ' کی طرف سے جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں شرکت کرنے اور رفع نزاع کے لیے ایک وفد کا اعلان اشتہار کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ وفد جس میں مولانا امجد علی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور مفتی محمد برہان الحق شامل تھے اور جس کی قیادت مولٰینا سلیمان اشرف کر رہے تھے جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ اسٹیج پر مولٰینا آزاد کے علاوہ مولانا نثار احمد کانپوری، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولوی احمد سعید دہلوی موجود تھے۔ وفد کے صدر مولانا سلیمان اشرف کو مولانا آزاد نے تقریر کا موقع دیا۔ تقریر کے دوران انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کی، ستر سوالوں کے جواب طلب کیے اور مولانا آزاد کے کچھ اخباری بیانات، کچھ تقریروں اور بعض حرکات پر شدید اعتراضات کیے۔ مولانا آزاد نے جوابی تقریر میں کہا:

> "کچھ مولویوں کا وفد آیا ہے جس کا نہ کوئی اصول ہے اور نہ مقصد، مجھ پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں سب غلط اور بے بنیاد ہیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں۔"

اس کے بعد مولانا آزاد نے جماعت رضائے مصطفےٰ کے اراکین وفد سے کہا کہ وہ جا سکتے ہیں۔ مفتی برہان الحق (پیدائش ۱۸۹۲ء) جو مولانا آزاد سے تین چار

سال ہی چھوٹے تھے کسی طرح موقع پاکر مولانا آزاد سے کچھ سوالات کر لیے اس کی رُوداد خود مفتی بُرہان الحق کے الفاظ میں یہاں نقل کی جارہی ہے۔ انھوں نے مولانا آزاد سے "ذرا بلند آواز سے کہا":

آنجناب نے ابھی ابھی اپنی جوابی تقریر میں زور دے کر فرمایا کہ مجھ پر تمام الزامات غلط اور بے بنیاد ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ میری گذارش یہ ہے کہ اخبار زمیندار، لاہور کے فلاں نمبر، فلاں تاریخ میں، نہایت جلی سرخیوں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ "ناگپور کے خلافت کانفرنس کے پنڈال میں، امام الہند ابوالکلام آزاد صاحب نے جمعہ پڑھایا اور خطبۂ جمعہ میں مہاتما گاندھی کی صداقت وحقانیت کی شہادت دی"۔ ایک مشرک کی صداقت وحقانیت کی شہادت خطبۂ جمعہ میں!۔ یہ کیسا اسلام ہے!"

یہ سنتے ہی بقول مفتی برہان الحق مولانا آزاد کا چہرہ فق ہوگیا۔ ایک دو منٹ تک اُنھیں دیکھتے ہی رہے اور پھر بولے:

"لعنۃ اللہ علی قائلہ"

ایک اور سوال جو مفتی برہان الحق نے کیا وہ یہ تھا کہ "اخبار تاج (جبل پور)، فلاں تاریخ، فلاں نمبر میں ہے کہ "الٰہ آباد کے ایک جلسۂ عام میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے کرسیٔ صدارت سے اعلان فرمایا کہ مقاماتِ مقدسہ کا فیصلہ

اگرچہ ہمارے حسبِ دلخواہ بھی ہو جائے تب بھی ہم اس وقت
تک چین نہ لیں گے، جب تک گنگا اور جمنا کی مقدس سرزمین کو
آزاد نہ کرالیں گے، بحیثیت مسلمان ہونے کے گنگا جمنا بھی آپ کے
نزدیک مقدس ہیں؟ استغفر اللہ۔"

اس پر مولانا آزاد نے کہا: "میں نے پرچے نہیں دیکھے، لعنۃ اللہ
علی قائلہ"

مولانا آزاد سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی توبہ کے الفاظ اخبارات میں شائع کرائیں۔
مولانا آزاد نے وعدہ کیا کہ اجلاس کی روداد میں ان تمام غیر اسلامی حرکات سے رجوع کا
اعلان شائع کر دیا جائے گا۔ جلسہ کا اختتام شب میں کسی وقت ہوا ہوگا۔ بریلی اسٹیشن پر
روانگی کے وقت مولانا آزاد نے اس مجمع سے جو انھیں گھیرے ہوئے تھا کہا:

بعض باتیں حقیقت ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا
لیکن اب ہمیں آزادی کا جو مسئلہ حل کرنا ہے اس کے آگے اب تمام باتیں
فی الحال زیادہ توجہ کے قابل نہیں ہیں مگر احتیاط بہرحال ضروری ہے۔

ایک صاحب جو اسٹیشن پر بسکٹ بیچتے تھے انھوں نے یہ روداد بیان کی۔

خلافت کے سلسلے میں 'موالات' کے علاوہ ایک اور مسئلہ جو زیرِ بحث آیا وہ
تھا کہ آیا خلافت شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا
آزاد اسے "قریشیت" کو خلیفہ کے لیے لازمی نہیں مانتے تھے جبکہ فاضل بریلوی شرعی
نقطۂ نظر سے قریشیت کو خلیفہ کے لیے لازمی شرط قرار دیتے تھے۔ اس موضوع پر انھوں
نے ایک رسالہ بھی قلمبند کیا تھا 'دوام العیش فی الائمۃ من قریش' دراصل اس کی تالیف

کا موجب ایک استفتا تھا جو ۱۹۲۰ء میں انھیں موصول ہوا۔ اس میں تین سوال کیے گئے، تھے جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مسلمانوں پر سلطنت عثمانیہ کی اعانت لازم ہے کہ نہیں؟

۲۔ فرضیتِ اعانت کے لیے سلطان کا قرشی ہونا یا خلیفہ شرعی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

۳۔ ابو الکلام آزاد اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے نزدیک خلافت شرعیہ کے لیے "قرشیت" شرط نہیں، یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟[۳۲]

پہلے اور دوسرے سوالات کے جواب میں فاضل بریلوی نے لکھا:

"سلطنت علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنتِ اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعت مسلمان، نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں "قرشیت" شرط ہونا کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے۔"[۳۳]

تیسرے سوال کا جواب اس طرح دیا:

"البتہ اہلسنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لیے ضرور "قرشیت" شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں، اسی پر صحابہ کا اجماع ہے... مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین... ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے، سوا اس کے جو ساتوں شرط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت نسب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا

فرماں روائے اعظم ہو ۔[۳۹]

یہ رسالہ ۱۹۲۱ء میں لکھا گیا اور فاضل بریلوی کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مفتئ اعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں نے اپنی تمہید کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں بریلی سے شائع کیا جبکہ حکومت سلطانی معدوم ہوچکی تھی۔ اس رسالے کی اشاعت کو التوا میں کیوں رکھا گیا اس کی وضاحت مفتئ اعظم نے تمہید میں اس طرح کی ہے:

دار الافتاء میں سوال آیا کیے اور ہم معرض التوا میں رکھا کیے محض اس خیال سے کہ شاید اس جھوٹے نام خلافت ہی سے ہمارے ترک بھائیوں کو کچھ فائدہ ہوجائے۔ اس وقت ایسے استفتاء کا جواب نہ دینا بہتر ہے مگر جب فرنگی محل سے بار بار تقاضے آئے تو یہ جواب دے دیا گیا کہ ایسے مسائل اس دار الافتاء کے موضوع سے خارج ہیں ... (اس جواب کی) اشاعت کرکے اور ساتھ ہی یہ ظاہر کرکے کہ دار الافتائے بریلی اس میں مخالف ہے انگریزوں کو جتا دیا کہ یہ مسئلہ اتفاقی نہیں وہ مسلمان جو آج ایک عالم کے معتمد علیہ اور عرب وعجم کے مرجع ہیں اس میں مخالف ہیں پھر بھی یہاں سے کچھ نہ کہا گیا... شروع ۳۹ھ میں فرنگی محلی خطبہ اور آزادی رسالہ جزیرۃ العرب کے خیالات خام وباطل اوہام کے متعلق استفتاء کے جواب میں حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رسالہ دوام العیش فی الائمۃ من قریش تصنیف فرمایا... اسے اس خیال سے چھوڑ دیا کہ ابھی اس کا

وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا تکمیل کر کے طبع کرا دیا جائے گا۔"[۴۰]

فاضل بریلوی نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ اور تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ فصل دوم خاص طور سے مولوی فرنگی محلی کے خطبۂ صدارت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور فصل سوم میں جیساکہ اس کا عنوان ہے "رسالۂ خلافت میں مسٹر ابوالکلام آزاد کی تلبیسات و ہذیانات کی خدمت گزاری کی گئی ہے۔" اس رسالے میں اکثر مقامات پر فاضل بریلوی نے مولانا عبدالباری اور مولانا آزاد کے اپنے موقف میں پیش کیے گئے دلائل پر علمی بحث کی ہے اور اُن کی لغزشوں کی جابجا نشاندہی کی ہے۔ طنز و طعن سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی محفوظ نہیں رہے ہیں لیکن مولانا آزاد کا محاسبہ زیادہ سختی سے کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ فاضل بریلوی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو تو علماء میں شمار کرتے تھے، مگر ابوالکلام آزاد کو خاطر میں نہ لاتے تھے جس کا اندازہ اُن کے اس جملے سے کیا جاسکتا ہے:

"کسی پرچۂ اخبار کی اڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث و فقہ کا سمجھنا اور۔ وہ "مِن" کا ترجمہ "سے" اور "اِلیٰ" کا ترجمہ "تک" کر لینے سے نہیں آتا۔"[۴۱]

اس کے علاوہ فاضل بریلوی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ خلافت اسلامیہ کی حفاظت محض دکھاوا اور ایک آڑ ہے۔ اصل مقصود سوراج ہے۔ جہاں تک مولانا آزاد کا سوال ہے انھوں نے خود کہا ہے:

"مسئلۂ خلافت کا اصلی حل ہندوستان کی آزادی پر موقوف تھا۔ اس لیے تحریکِ خلافت نے خود بخود ملک کو تحریک

آزادی تک پہنچا دیا"۔[۴۲]

مولانا آزاد کے مندرجہ ذیل خیالات سے فاضل بریلوی کے اندیشوں کی مزید تائید ہوئی:

یہ کوشش اور لڑائی صرف اماکن مقدسہ اور خلافت کے لیے نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دینے کے لیے ہے۔ اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم ہماری جدوجہد جاری رہے گی، اس وقت تک کہ ہم گنگا وجمنا کی مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں"۔[۴۳]

فاضل بریلوی نے اس عبارت پر گرفت کرتے ہوئے لکھا:

ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے، اصل مقصد بغلامی ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھر کم خلافت کا نام لو، عوام بھڑیں، چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں" آزاد کرنے کا کام چلے ؎

اے پسر و مشرکان بزمزم نرسی
کیں رہ کر تو میروی بہ گنگ و جمن است۔[۴۴]

مولانا آزاد جس آن بان سے قومی سیاست میں نظر آرہے تھے اُن کی تحریروں اور تقریروں میں جو خطیبانہ طرز تھا اُس سے اُن کی قیادت کے عزائم کا اظہار ہوتا تھا۔ فاضل بریلوی کی نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی۔ لکھتے ہیں:

"مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام ائمۂ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں، ان کے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے۔ تمام امت سے اپنی امامت مطلقہ منوانے کا دعویٰ ہے۔ دیکھو رسالۂ خلافت کا اخیر مضمون ا ھد کم سبیل الرشاد (میرے پیرو ہو جاؤ) میں تمھیں راہِ حق کی ہدایت کروں گا۔"[۴۵]

دوام العیش کے مقدمہ میں ایک جگہ مولانا آزاد کی ایک تحریر کا تعاقب کرنے کے بعد کہتے ہیں "خدا جانے مسٹر آزاد یہ کس جنگ یا کسی نشے کی ترنگ میں لکھ گئے۔"[۴۶]

اسی رسالہ کی فصل سوم کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں: "یہ ۳۵ رد قاہر خطبۂ صدارت فرنگی محلی کی ۱۵ سطری تحریر پر قلم برداشتہ تھے اب بعونہٖ تعالیٰ چار حرف ان کے بڑے آزاد لیڈر صاحب کی تحریر پر بھی گزارش ہوں..."[۴۷] انھیں مسٹر آزاد کے خیالات پر خارجیوں کے اثرات نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ اسلام تو قومی امتیاز کے اوڑھانے کو آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لیے کیسے خاص کر سکتا۔ یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبعزاد نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے۔"[۴۸] فصل سوم میں ایک بحث کا عنوان فاضل بریلوی نے "رد احادیث نبوی میں مسٹر کی بے سود کوشش" رکھا ہے۔ اس بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں "غرض پیشگوئی بتا کر تکذیب حدیث کے سوا مسٹر کو کچھ مفر نہیں۔"[۴۹] دوسری جگہ لکھتے ہیں "مسٹر نے یوہیں دوسری حدیث الائمۃ من قریش سے تشریع اڑانے اور نری خبر بنانے کے لیے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں۔"[۵۰] اس بحث

کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ ہے مسٹر کی حدیث دانی اور ارشاداتِ نبوت پر ظلم رانی"۔[۵]

"زہے مسٹری و لیڈری و ایڈیٹری" اہلسنت وجماعت اور تقلید کے اصول سے منحرف ہونے کے بعد 'امام الہند' (بقول بریلوی علماء امام الہنود) کو اسی طرح کے طنز واستہزاء کا نشانہ بننا پڑا۔ یہی نہیں فاضل بریلوی نے تو مولانا آزاد کو پوری طرح مسترد کر دیا تھا جیسا کہ اُن کی ذیل کی فارسی رباعی سے ظاہر ہوتا ہے:

آزاد مگر نہ تو بیشک مشرک ۔۔۔ دہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردے ۔۔۔ برناخن مسلمے خدا لک مشرک[۵۲]

حواشی

۱۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش، احمد رضا خاں، مکتبہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۹۵

۲۔ آزاد کی کہانی خود اُن کی زبانی بہ روایت، ملیح آبادی، دلّی، اپریل ۱۹۵۸ء، ص ۶۶

۳۔ ایضاً ص ۴۴

۴۔ امام احمد رضا کا شجرۂ طوبیٰ، یٰسین اختر مصباحی، مجاز جدید (ماہنامہ) دہلی، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۳۵

۵۔ آزاد کی کہانی ... ص ص ۱۴۲-۱۴۱

۶۔ مجاز جدید، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۵۵

۷۔ مجاز جدید، جنوری ۱۹۸۹ء اداریہ، ص ۸

۸۔ آزاد کی کہانی ... ص ۵۶

۹۔ ایضاً، ص ۵۶

۱۰ه ایضاً، ص ۵۶

۱۱ه حجاز جدید، جون ۱۹۸۹ء ص ۵

۱۲ه دی دیوبند اسکول اینڈ دی ڈیمانڈ فار پاکستان، ضیاء الحسن فاروقی، نئی دہلی، ۱۹۶۳ء، ص ۲۵

۱۳ه ہجوم، خصوصی شمارہ، امام احمد رضا نمبر، ۲ر دسمبر - ۸ر دسمبر ۱۹۸۸ء، بحوالہ ہفت روزہ خطیب (دہلی) مورخہ ۲۲ر مارچ ۱۹۱۵ء

۱۴ه آزادی کی کہانی .... ص ۱۶۴

۱۵ه ایضاً، ص ۱۶۶

۱۶ه ایضاً، ص ۱۶۶

۱۷ه ایضاً، ص ۳۶۱

۱۸ه ایضاً، ص ۳۶۳

۱۹ه ایضاً، ص ص ۳۷۰-۳۶۹

۲۰ه ایضاً، ص ۳۷۰

۲۱ه عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری کے یہ خیالات اُن کے مضمون 'عرض حال' میں موجود ہیں۔ دیکھیے فاضل بریلوی اور ترک موالات، مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ص ۴-۳

۲۲ه دیکھیے رسالہ دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ادارت، خواجہ رضی حیدر و حاجی احمد مجاہد، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ص ۳۷-۷

۲۳ه ایضاً، ص ۱۲

۲۴ه خطبات آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، اردو کتاب گھر دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ص ۳۶-۳۵

۲۵ه ایضاً، ص ۳۷

۲۶؎ اکرام امام احمد رضا، مفتی محمد برہان الحق جونپوری، ترتیب و تحشیہ : پروفیسر محمد مسعود احمد، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۵

۲۷؎ النور، محمد سلیمان اشرف، مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، ۱۹۲۱ء، ص ۱۰۴

۲۸؎ ایضاً، ص ص ۱۱۹-۱۱۸

۲۹؎ ایضاً، ص ۱۱۹

۳۰؎ ایضاً، ص ۱۱۹

۳۱؎ ایضاً، ص ۱۱۹

۳۲؎ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر محمد مسعود احمد، لاہور، اگست ۱۹۸۰ء، ص ص ۱۳۳-۱۳۲

۳۳؎ ایضاً ۱۳۳

۳۴؎ ایضاً، حاشیہ ۵؎، ص ۱۳۳

۳۵؎ ایضاً، ص ۱۳۴

۳۶؎ اس جلسہ کی مکمل روداد کے لیے دیکھیے اکرام امام احمد رضا، مفتی محمد برہان الحق، ص ص ۱۱۰-۱۴۴

۳۷؎ دوام العیش، افتتاحیہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۶

۳۸؎ ایضاً افتتاحیہ، ص ۶

۳۹؎ ایضاً، افتتاحیہ، ص ص ۷-۶

۴۰؎ تمہید از مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں، ص ص ۴۲-۴۱

۴۱؎ ایضاً، افتتاحیہ، ص ۹

۴۲؎ مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفتہ وار پیغام، مرتبہ: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، پٹنہ، ۱۹۸۹ء ہفتہ وار پیغام، نمبر ۱، جلد ۱، جمعہ، ۲۰ محرم الحرام، ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۲۱ء، ص ۶

۴۳ه دوام العیش، افتتاحیہ، ص ۱۷

۴۴ه ایضاً، افتتاحیہ، ص ۱۷

۴۵ه ایضاً، افتتاحیہ، ص ۱۹

۴۶ه دوام العیش، ص ۴۹

۴۷ه ایضاً، ص ۹۵

۴۸ه ایضاً، ص ۹۶

۴۹ه ایضاً، ص ۱۰۳

۵۰ه ایضاً، ص ۱۰۴

۵۱ه ایضاً۔

۵۲ه حدائق بخشش، حصہ سوم (مرتب) مولانا محبوب علی خاں قادری رضوی، نابھہ (پنجاب)، ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ، ص ص ۹۳-۹۲

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

امام احمد رضا اور مولانا آزاد کے افکار
تقابلی مطالعہ

"اس صدی کے شروع میں مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور ان کے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لیے تین آوازیں بلند ہوئیں۔ ایک اقبال کی "بانگ درا" ایک محمد علی کا "نعرۂ تکبیر" اور ایک ابوالکلام آزاد کا "رجز حریت" ممکن ہے لفظوں کے پرستاروں کو ان تینوں کے پیغاموں میں فرق معلوم ہوتا ہو مگر معنی کے محرم تینوں کی زبان سے ایک ہی بات سنتے اور اس کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولو، اور اسلام کے اسم اعظم سے آفاق کی تسخیر کرو۔" [1]

ڈاکٹر عابد حسین کا یہ قول اگر حق و صداقت کا آئینہ دار ہے تو یہ بھی اپنی جگہ مسلم اور مبنی برحقیقت ہے ایک چوتھی بھی آواز ہے جس نے عالم اسلام میں مذہبی انقلاب برپا کر دیا اور کفر و ارتداد کی آندھی میں حق و صداقت کا پرچم اسی طرح بلند رکھا جس طرح باطل کے ظلم و استبداد کی پروا کیے بغیر عہد عباسی میں امام احمد بن حنبل اور دور اکبری میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما نے بلند کر رکھا تھا وہ آواز تھی اس ذات گرامی کی جو دنیائے علم و ادب میں "امام" عالم عرب میں "فاضل بریلوی" اور حلقۂ معتقدین و متوسلین میں "اعلیٰ حضرت" سے متعارف ہے۔ فاضل بریلوی اپنے کارناموں کے سبب رہتی دنیا تک (ان شاء اللہ) اپنی عبقریت کا اعتراف کرواتے رہیں گے۔ متعصب مورخین ان پر دھول تو ڈال سکتے ہیں مگر صفحۂ ہستی سے ان کا نام نسیاً منسیا نہیں کر سکتے۔

امام احمد رضا اور مذکورہ بالا تینوں اساطین علم و ادب کا کسی بھی میدان میں کوئی مقابلہ نہیں کیونکہ امام احمد رضا ذ۔ وہ فضل و کمال پر اسی وقت پہنچ چکے تھے جب یہ تینوں لوگ بحر علم و فن کی غواصی کا ارادہ کر رہے ہوں گے۔ اسی لیے یہاں میدان علم و ادب میں امام احمد رضا کی شخصیت سے کسی کا موازنہ نہیں البتہ مولانا ابو الکلام آزاد جو سیاست کی بلندیوں پر فائز تھے اور بزعم خویش انہوں نے اس میدان میں ایک بھاری جمعیت کو اپنے پیچھے چھوڑ رکھا تھا اس مقالہ میں ان کی سیاسی بصیرت سے متعلق کچھ گفتگو مقصود ہے۔

امام احمد رضا اگرچہ زندگی بھر اصلاح عقائد اور مذہب باطلہ کی تردید میں لگے رہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے علم و ادب اور ملکی حالات و معاملات میں جو حصہ لیا اور جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہ ملکی آزادی کے خواہاں تھے اس لیے انہیں انگریز سے عداوت و نفرت تھی۔ بقول سید الطاف علی بریلوی۔

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔" ؎

امام احمد رضا کی طرح مولانا ابو الکلام آزاد بھی غلامی کی زنجیروں سے نکل کر آزادانہ زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے اس لیے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، یہی وہ رجز حریت ہے جس نے ابو الکلام آزاد کو عظمت و بلندی کے اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے جس کا احساس تو کیا جا سکتا ہے مگر وہاں تک پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں یہی حریت پسندی ہے جو امام احمد رضا اور مولانا ابو الکلام آزاد کے درمیان قدرے مشترک ہے جس کی خاطر ان حضرات نے اپنے ذہن و فکر کا استعمال کیا یہاں اسی کے تناظر میں کچھ باتیں کہی جا رہی ہیں۔

رجز حریت کو مولانا آزاد کی سیاسی زندگی کی روح کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس روح کی تقویت کے لیے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کا پرچم بلند کیا جس میں کسی حد تک کامیابی اور کسی حد تک ناکامی رہی، امام احمد رضا کا بھی نظریہ اتحادی تھا۔ وہ انتشار و اختلافات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے مگر ان کا یہ "نعرۂ اتحاد" مولانا آزاد کے "نعرۂ اتحاد" سے قطعی مختلف تھا۔ اما

احمد رضا انگریز اور ہندو دونوں قوموں سے قطع تعلق چاہتے تھے جبکہ مولانا آزاد انگریزوں سے نفرت اور ہندوؤں سے محبت کے حامی تھے درج ذیل سطور میں اسی طرز فکر کا دلائل و براہین کی روشنی میں تقابلی جائزہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت عبقری تھی تدبر، تفکر، دوراندیشی اور بہت ساری خوبیوں میں وہ اپنی مثال آپ تھے وہ صرف سیاسی ہی نہیں تھے بلکہ ان کی ذات میں کئی شخصیتیں جمع تھیں۔ بقول مولانا امین احسن اصلاحی۔

"وہ (ابوالکلام آزاد) کئی نہیں بلکہ کئی سو دماغوں کا نچوڑ تھے" ۳

اگر ہندوستان کی خمیر میں تعصب نہ ہوتا تو مولانا ابوالکلام آزاد ان صلاحیتوں کے سبب سیاست کے نقطہ عروج پر ہی پہنچکر دم لیتے، مگر ہندوستان کے ارباب بصیرت نے جو کھیل ان کے ساتھ کھیلا وہ سیاست دانوں پر مخفی نہیں، مولانا آزاد کے سیاسی شعور و آگہی پر گفتگو تو بعد میں کریں گے پہلے اس خاندان کا اجمالی ذکر ضروری ہے جس میں مولانا آزاد کی نشو و نما اور ذہن و فکر کی آرائش ہوئی۔

مولانا خیر الدین کی ولادت ۱۸۳۱ء دہلی میں ہوئی مولانا منورالدین (جوان کے رشتہ کے ماموں ہوتے تھے) کی زیر نگرانی تربیت ہوئی انہوں نے اس طرح مولانا خیر الدین کی تربیت کی کہ کم عمری ہی میں منقولات و معقولات میں بالغ نظری حاصل کر کے اس دور کے جید علماء میں شمار کیے جانے لگے۔

مولانا منورالدین اور مولانا خیرالدین دونوں مذہباً متصلب تھے۔ تقوی، و دیانتداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں نے مذاہب باطلہ کی تردید میں ردّ و مناظرے کیے اور کتابیں لکھیں۔ مولانا منورالدین نے شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کی رد میں کتابیں لکھیں مردر جامع مسجد پر امتناع نظیر خاتم النبیین کے موضوع پر زبردست مناظرہ کیا۔

مولانا خیرالدین جس زمانے میں سرزمین عرب پر مقیم تھے وہاں شیخ احمد دحلان کی انہیں رفاقت حاصل رہی ان دونوں نے مل کر جو وہابیت کی بیخ کنی کی وہ اہل علم پر مخفی نہیں مولانا خیرالدین نے دس جلدوں پر مشتمل ردّ وہابیہ کے موضوع پر کتاب لکھی جس نے دنیائے وہابیت

میں تہلکہ مچا دیا اور بقول مولانا آزاد

"شیخ احمد دحلان کی تصنیف "الرد علی الوھابیین" فی الحقیقت والد مرحوم کے خیالات کا عکس ہے۔" ھے

مولانا خیر الدین کے مذہبی تصلب کا عالم یہ تھا کہ وہ امام احمد رضا جس کی پوری زندگی ردِّ وہابیت کے لیے وقف تھی صحیح الاعتقاد تو ضرور تسلیم کرتے تھے مگر تصلب میں اپنے سے کم تر گردانتے تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں۔

"مولوی احمد رضا خان مرحوم سے ملنے کے بعد والد صاحب افسوس و حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے "دنیا بھر میں بس ڈھائی مسلمان رہ گئے ہیں ایک خود میں دوسرے مولانا عبد القادر بدایونی اور آدھے احمد رضا خان بریلوی۔" ھے

ایسے متصلب فی الدین شخص کے گھر ہجرت کے دوران مکہ کی سرزمین پر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء محلہ قدوہ متصل باب السلام میں مولانا آزاد کی ولادت ہوئی اصل نام "احمد" قرار پایا "محی الدین" لقب ہوا "ابو الکلام آزاد" سے شہرت حاصل ہوئی جبکہ والد گرامی "فیروز بخت" کہہ کر پکارتے تھے اور مصرعۂ ذیل سے آزاد کی سنہ ولادت کا استخراج کیا تھا۔

جواں بخت جواں طالع جواں باد۔ (۱۳۰۵ھ)

دین حق کی ترویج و ارتقاء اس خانوادہ کا محبوب مشغلہ تھا وہابیوں کے شدید مخالف تھے ایسے ماحول میں آزاد کی نشو و نما ہوئی اور ہر طرح اس ماحول میں وہ رنگ گئے اور وہابیوں سے متعلق وہ تمام اصطلاحات جو اس خانوادے میں رائج تھے ان کی زبان زد ہو گئے بقول مولانا آزاد۔

"دنیا کی ہر مکروہ و خبیث چیز اس لقب سے پکاری جاتی تھی۔ مثلاً حافظ جی کہتے:۔ تھے شب کو اس قدر وہابی تھے کہ نیند نہ آئی یعنی مچھر بہت تھے دیوان خانے میں کتابوں کے نیچے صندوق پڑے تھے ان کے نیچے وہابی چلے جاتے تھے اور پیندے میں سوراخ کر دیتے تھے یعنی چوہے، چنانچہ۔ بڑی جد و جہد کے ساتھ وہابیوں کو پکڑا جاتا تھا اور ہم لوگ یوں حساب کرتے کہ آج ۲ دو وہابی مارے گئے ایک بہت بڑا وہابی

بھاگ گیا۔ ۶ے

مولانا ابوالکلام آزاد کو وہابیوں سے نفرت وعداوت ورثہ میں ملی تھی خاندانی ماحول میں اچھی طرح رچ بس گئے تھے مگر بعد میں خاندانی رسم و رواج اور آباء واجداد کے مسلک سے انحراف کرلیا غیر مقلدیت کی طرف رجحان ہوگیا تھا بچپن کے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرا تخیل یہ تھا کہ وہابی کو خاص طرح کا ایک بڑا ہی مکروہ اور قابلِ نفرت مخلوق ہے۔ ۷ے

اس علمی اور مذہبی گھرانے میں آزاد کی تربیت ہوئی اس تربیت کا ثمرہ یہ ہوا کہ علم وادب کے میدان میں اپنی عبقریت تسلیم تو کرائی ہی، افق سیاست پر بھی میر اعظم بن کر چمکے جس کی کرنیں آج بھی ہندوستانی بساطِ سیاست پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی باضابطہ سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۱۲ء میں "الہلال" کے اجراء سے ہی سمجھنا چاہیے۔ الہلال کے وجود میں آتے ہی غلامی کی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آزادی کی کرن پھوٹتی ہوئی نظر آنے لگی اس جریدہ کے ذریعہ آزاد اپنی آواز لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستانی سیاست پر چھا گئے اس پرچہ کے ذریعہ حصولِ آزادی کے لیے جو انہوں نے جدوجہد کی وہ ہندوستانی سیاست کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے البلاغ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آزادی کے لیے مولانا آزاد سب کچھ قربان کردینا ارزاں سمجھتے تھے ہفت روزہ الجمعیت دہلی میں ہے۔

"مولانا کے نزدیک آزادی جزءِ ایمان تھی اس لیے مذہب اور سیاست میں کوئی بیر نہیں تھا لیکن وہ سیاست کو مذہبی فرقہ داری کے ماتحت نہ رکھنا چاہتے تھے ان کے ذہن میں سیاست کی جدید ترین شکلیں بھی تھیں اور قدیم قدریں بھی انہوں نے دونوں کا خوبصورت امتیاز کیا تھا تاکہ یہ صورت نہ ہو کہ

جیسا موسم ہو مطابق اس کے میں دیوانہ ہوں

مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں پروانہ ہوں ۸ے

مولانا آزاد کے ذہن و دماغ میں آزادی کا تصور رچا بسا تھا۔ اوائل عمر سے ہی آزادی کی جنگ میں کود پڑے تھے اس آزادی کا تعلق اسلام سے اس طرح پیدا کرتے کہ الہلال کا اداریہ پڑھنے والا شخص ان کے نظریات و خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے لکھا تھا کہ

"ایک چراغ جو روشن ہو کر پھر نہیں بجھتا وہ حریت صحیحہ کا چراغ ہے مسلمان ہندوستان میں رہتے ہیں ہندوستان کی آزادی ان کا دینی فرض ہے جس کی بجا آوری لازم ہے۔" ۹ء

مولانا آزاد اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب تھے درج ذیل سطور میں اسی کا انکشاف ہے بہرحال معاملہ کچھ بھی رہا ہو اُس وقت کا ہندوستان جس طرح سیاسی کشمکش سے دوچار رہا ایسے پُرآشوب ماحول میں "الہلال" پیغمبر امن و شانتی اور رہبر راہ صداقت بن کر وجود پذیر ہوا۔ اور چونکہ اس پر مذہبی خول تھا اس لیے مذہب کے پرستاروں کے دلوں میں جلد ہی نفوذ کر گیا مگر مولانا آزاد چونکہ سیاسی تھے اس لیے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے سبب پابندی کے ساتھ اس کی اشاعت نہیں کر سکے لیکن جتنے شمارے چھپے مولانا آزاد نے تقریباً سب میں یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔

"الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالٹیکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ بے جا بھروسہ کیجیے اور نہ ہندوؤں کے ساتھ حلقۂ درس میں شریک ہو جائیے صرف اسی راہ پر چلیے جو اسلام کی بتائی ہوئی صراط المستقیم ہے۔" ۱۰ء

"الہلال" کے بند ہونے کے بعد "البلاغ" کا اجراء ہوا دونوں کی اشاعت کا ایک ہی مقصد تھا۔ جب اس کے اداریوں میں مولانا آزاد نے آزادی کا تصور پیش کیا تو اس سے انگریز حکومت کے کان کھڑے ہو گئے اور اس نے فوراً مولانا کو بنگال چھوڑنے کا حکم صادر کیا دوسرے صوبوں دہلی پنجاب اور بمبئی جانے پر بھی پابندی عائد کر دی لہٰذا مولانا رانچی چلے گئے جہاں وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء تک رہے۔ جون ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی سے ملاقات ہوئی اور ان کی تحریک "عدم تعاون" میں شریک ہو گئے انہیں گاندھی کی اس رفاقت اور تحریک میں شرکت پر فخر تھا، تحریک کے ہراول دستہ میں شریک ہو کر مفید مشورے دینے لگے ایک موقعہ پر ارکانِ تحریک کو مشورہ سے نوازتے ہوئے

فرماتے ہیں.

"میں نے آزادی اور انصاف کے حصول کے لیے عدم تعاون اور عدم تشدد کے ذریعہ جد و جہد کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے لیکن ہماری اس جد و جہد کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلح فوجیں تعینات ہیں جن کے پاس قتل و خونریزی کے تمام ہتھیار موجود ہیں اس لیے گاندھی جی کے برخلاف میرا یہ خیال نہیں ہے کہ مسلح طاقتوں کا ان ہی جیسی طاقت سے مقابلہ کرنا غلطی ہے." [۱۱]

گاندھی جی کی ملاقات سے مولانا آزاد کی سیاسی زندگی میں چار چاند لگ گئے کانگریسی پارٹی کے بنیادی عناصر میں ان کا شمار ہونے لگا کانگریس کی ہر پالیسی اور ہر اسکیم مولانا آزاد کے مشورہ کے بغیر نامکمل تصور کی جاتی انڈین نیشنل کانگریس ہو یا تحریک خلافت مسئلہ حصول آزادی ہو یا تحریک ترک موالات ہر جگہ ان کی حیثیت روح کی طرح تھی گاندھی جی کے افکار و نظریات سے کسی زمانے میں اختلاف رہا ہو تو رہا ہو مگر بعد میں ان سے وہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ گاندھی جی کے افکار و خیالات ان کے ضابطۂ زندگی بن گئے، جب گاندھی جی نے ہر طرح انہیں اپنا بنا لیا تو ہندو قوم کو خوش کرنے کے لیے ناموسِ دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کیے بغیر وہ سب کچھ کر بیٹھے جس میں ہندوؤں کی رضا ہوتی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ناگپور کانگریس کے موقع پر جمعہ کی امامت صغریٰ میں مسٹر گاندھی کی توصیف و تعریف خطبۂ اولیٰ کے حصہ اوّل میں نہایت بلند آہنگی سے کی اور ارشاد فرمایا.

"مہاتما گاندھی کی مقدس ذات اور پاکیزہ خیالات" [۱۲]

اس طرح کے فاسد خیالات صرف مولانا آزاد کے ہی نہیں تھے بلکہ ان تمام لوگوں کا یہی حال تھا جو ہندو مذہب پلیٹ فارم سے اٹھنے والی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصے لے رہے تھے مولانا اشرف علی تھانوی ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں.

"سب سے عجیب بات یہ دیکھی گئی کہ جو حضرات خلافت اسلامیہ کی حفاظت کی جد و جہد کر رہے تھے وہ ہندوؤں کی ہمنوائی کو احیاء خلافت اسلامیہ کیلئے ممد و معاون

بکھر رہے تھے اور جوشِ جذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر اپنا رہے تھے
چنانچہ اس زمانے میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ بھی لگوایا ہندو لیڈروں
کی ارتھیوں کو کندھا بھی دیا ہندو لیڈروں کو مساجد میں ممبر رسول پر بٹھایا قرآن
پاک کو مندروں میں لے جایا گیا۔" ۱۳

اس دَور کے اکثر مسلم قائدین کا یہی رویہ تھا خلافت اسلامیہ کی حفاظت تو محض دکھاوا
تھی ان سب کا مقصد انگریزوں کو مجبور کر کے ہندوستان پر خود مختار حکومت کا حصول تھا۔
۱۹۱۷ء میں جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے جس کا وعدہ کیا تھا ابوالکلام آزاد کے درج
ذیل خیالات سے اس کی نشاندھی کی جاسکتی ہے۔

"کوشش اور لڑائی صرف اماکنِ مقدسہ اور خلافت کے لیے نہیں بلکہ ہندوستان
کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لیے ہے اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی
جائے تاہم ہماری جدوجہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا وجمنا کی
مقدس سرزمین آزاد نہ کرالیں۔" ۱۴

امام احمد رضا کی علمی، عملی اور عبقری شخصیت حلقۂ علم وادب میں محتاج تعارف نہیں
مذہب میں کتنے متصلب تھے ان سے ملنے والا اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص
جانتا ہے آپکی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنے کے بجائے صرف اتنا کہنا کافی ہے۔

"جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود"

معاصر علماء اور دانشوروں پر نکتہ چینی اور علمی گرفت کرنے کے علاوہ ماضی کے اساطین
علم وادب کی لغزشوں کو بھی نہیں بخشا ہے باطل کی تردید میں ان کا قلم تیغ براں کی طرح چلتا
تھا ان کی چھوٹی بڑی ایک ہزار تصانیف جس کے بہترین شواہد ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ
نظریات جو شریعت سے متصادم تھے اس کی انہوں نے تردید کی اور واضح لفظوں میں لکھا کہ آزاد کا یہ
نظریہ اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے فرماتے ہیں۔

"ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی آڑ ہے اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی

چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے بھاری بھرکم خلافت کا
نام لو عوام بھر میں چندہ خوب ملے اور گنگا و جمنا کی زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔

اے پس رو مشرکاں بہ زم زم نہ رسی
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ و جمن است" ۱۵

کہتے ہیں کہ سچی بات کڑوی ہوتی ہے امام احمد رضا نے جب مولانا آزاد کی گندہ پالیسیوں کا انکشاف کیا اور مذہب کی آڑ میں امت مسلمہ کو قعرِ مذلت میں ڈالنے والی سیاست کی نقاب کشائی کی تو ہمدردان قوم و ملت نے اسے قوم کی ہمدردی پر محمول کیا اور گاندھوی سیاست کے دریوزہ گر مسلم قائدین نے اسے سیاست کا رخ دیگر مخالفت کے درپے آزار ہو گئے۔
۱۳۳۹ھ میں بریلی جمعیۃ کانفرنس کے موقع پر مولانا آزاد نے امام احمد رضا کی جناب میں ایک عریضہ ارسال کیا جو ڈپلومیسی سے خالی نہیں تھا اس میں وہ لکھتے ہیں۔

"مسئلہ تحفظ و صیانت خلافت اسلامیہ ترک موالات اور اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔" ۱۶

درج بالا عبارت کی روشنی میں ماہرِ رضویات پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں۔

"جس کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہو سکتا ہے مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکیہ کی مدد و اعانت سے انکار تھا بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کے لیے کوشش کی۔" ۱۷

امام احمد رضا اگر مولانا آزاد کے سیاسی موقف کی تائید نہیں کر رہے تھے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ انگریزوں کے ہمنوا تھے بلکہ وہ تمام اسلام دشمن طاقتوں کے مخالف تھے انگریز اور ہندو دونوں کے خلاف ان کا جذبۂ عداوت و نفرت یکساں تھا، چنانچہ جس زمانے میں ترکوں کے مقابلے میں برٹش گورنمنٹ کی حمایت اور ان کے بالمقابل مسلمان فوجیوں کو بھیجنے کی بات ہوئی تو ترک موالات کے حامی علماء جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں ترک مسلمانوں کے بالمقابل مسلمان فوج روانہ کرنے کا فریضہ انجام دیا تھا اس وقت بھی امام احمد رضا نے اس عمل

کی کھل کر مخالفت کی تھی، مولانا معین الدین اجمیری، باوجود امام احمد رضا کی مخالفت کے یہ اعتراف کرتے ہیں۔

"ترک موالات کی تجویز ۵ ایسی ہے جس کو دونوں بزرگوں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔" ۵۱

اس طرح کے بے شمار شواہد ہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کو صرف انگریزوں سے نہیں بلکہ ان کے لباس، طرز رہائش، تہذیب و تمدن، تعلیم و تربیت ہر چیز سے نفرت تھی اس سلسلہ میں "گناہ بے گناہی" مؤلفہ پروفیسر مسعود احمد کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

اسلام میں جس سیاست کا تصور ہے امام احمد رضا اس کے علمبردار تھے اور وہ اسلامی سیاست جماعتی مصالح کے لیے اور امت مسلمہ کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہے عزت و آبرو کو داؤ پر لگا دینے والی سیاست سے اسلام روکتا ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی میں کتنے سیاسی نشیب و فراز آئے اور انہوں نے اس موقع پر کونسی چالیں چلیں وہ ان کے سیاسی معاصرین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ان کے بعض ہمنواؤں نے ان کے اس طرز عمل کو قائدانہ کردار سے تشبیہ دیا ہے اور خود مولانا آزاد کو بھی بزعم خویش کامل یقین تھا کہ امت مسلمہ کی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں، اسی حوصلۂ قیادت اور جذبۂ اجتہاد نے انہیں اپنے آباء و اجداد کے مسلک کی مخالفت اور اس سے انحراف پر آمادہ کیا امام احمد رضا نے مولانا آزاد کے اس جذبۂ قیادت کا جو پردہ چاک کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں۔

"مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام مجتہدین کرام سے اپنے کو اعلیٰ جانتے ہیں ان کے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے، تمام امت سے اپنی امامت مطلقہ منوانے کا دعویٰ ہے دیکھو رسالہ خلافت کا آخیر مضمون اھدکم سبیل الرشاد (میرے پیرو ہو

جاؤ میں تمہیں راہ حق کی ہدایت کردوں گا۔ [۱۹]

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہی جذبہ قیادت تحریک ترک موالات میں بھی کارفرما رہا ترک موالات (نان کوآپریشن) کی اسکیم میرٹھ کے اجلاس میں اگرچہ گاندھی نے پیش کی مگر مولانا آزاد نے اس میں اس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ وہ خود اس تحریک کے ہیرو بن گئے یہ تحریک شباب پر تھی اور مولانا احمد رضا زندگی کی آخری بہاریں گن رہے تھے مگر اس موت و زندگی کی کشمکش کے عالم میں بھی انہوں نے آزاد اور ان کے دوسرے ہم نواؤں کو معاف نہیں کیا اور تحفظ شریعت مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے عالمانہ کردار ادا کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں ہندو مسلم اتحاد کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ ان کی اس تقریر کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۵ ار دسمبر ۱۹۲۳ء میں انڈین نیشنل کانگریس دلی کے خصوصی اجلاس میں کی تھی۔

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے تو سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا مگر اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ کیونکہ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہو گا لیکن ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہے۔" [۲۰]

اور اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے علی گڈھ کالج کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا۔

"حکومت سے ترک موالات اس طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں۔ [۲۱]

مولانا ابوالکلام آزاد ترک موالات کی فرضیت کو ارکانِ اسلام کی طرح نصِ قطعی سے ثابت کرتے چونکہ وہ اپنے کو مجتہد اور امت مسلمہ کا قائد سمجھتے اس لیے کسی کی حرف گیری پر دھیان نہ دیتے ہندو مسلم اتحاد اور ترک موالات سے متعلق مولانا آزاد کے قائدانہ کردار نے کتنے گل کھلائے اور کہاں کہاں انہیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کی ایک طویل داستان ہے۔ تفصیلات میں نہ جاتے

ہوئے یہاں مسلم کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور سے متعلق ذکر ضروری سمجھوں گا۔ جسے نیست ونابود کرنے کا مولانا آزاد نے ایک مستحکم منصوبہ بنالیا تھا۔ گاندھی جی کے ایماء پر اس کالج کو تہس نہس کرنے کے لیے آزاد کے ساتھ مولانا محمود حسن بھی تھے ان حضرات نے مقصد میں کامیابی کے لیے ہزارہا کوششیں کر ڈالیں مگر کوئی کوشش بارآور نہ ہوئی علمائے دیوبند نے اس کالج کی مخالفت کو عین اسلام اس لیے قرار دیا تھا کہ اس میں عصر حاضر کی تعلیم کا بندوبست ہے۔ جبکہ بعض حضرات کھلے طور پر اس کی حمایت میں تھے الغرض مولانا محمود حسن کے فتادے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی تقریریں آخر میں رنگ لائیں ہوا یہ کہ ڈاکٹر انصاری اور محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی مجاہدین اسلام کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج پر ہلہ بول دیا وہ تو کہیئے کہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے اپنی بلند ہمتی اور عظیم مساعی کا مظاہرہ کیا اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو کالج کے شکست وریخت کا جو منظر سامنے ہوتا وہ ملت کے لیے ایک زبردست المیہ ہوتا۔ ۲۲

جب مولانا آزاد کا حملہ علی گڑھ کالج پر ناکام ہو گیا تو پھر اسلامیہ کالج لاہور پر ہلہ بولنے کی مہم ہوئی ابوالکلام آزاد ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے وہاں انہوں نے کالج کے اراکین کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کچھ تو ان کے دام تزویر میں پھنس گئے اور کچھ نے ان کے نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مولانا آزاد کا کہنا تھا کہ ترک موالات کے لیے ضروری ہے کہ سرکار برطانیہ سے جو امداد ملتی ہے بند کی جائے اور یونیورسٹی سے کالج کا الحاق بھی ختم کیا جائے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان دونوں صورتوں میں موالات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ۲۳

مولانا آزاد نے جب کالج کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا تو انجمن حمایت اسلام کے سکریٹری نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ وہ علماء جو مسٹر گاندھی کے حلقہ اثر سے باہر ہوں اور اعلائے کلمۂ حق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو ان سے رجوع کیا جائے اور اس کا صحیح جواب منگایا جائے سکریٹری نے اس کام کی ذمہ داری پروفیسر حاکم علی کے سپرد کی جنہوں نے ترک موالات کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے ایک فتویٰ ترتیب دیا پھر اس کی تصدیق و تصحیح کے لیے مندرج ذیل خط کے ساتھ امام احمد رضا کے

پاس بریلی ارسال کر دیا۔

۔ آقائے نامدار، موید ملت طاہرہ، مولانا و بالفضل اولانا شاہ احمد رضا خان

صاحب دام ظلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

پشت ہذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لیے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں

کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک

اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں، انجمن حمایت اسلام کی

جنرل کونسل کا اجلاس بروز اتوار ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے اس میں

یہ پیش کرنا ہے دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل

نہیں کیا، ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ مولات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں

کے کام میں روڑا اٹکانے کی ٹھان لی ہے اور عالم خفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں

اور عنداللہ ماجور ہوں۔

نیاز مند دعا گو حاکم علی بی اے موتی بازار لاہور۔

۲۵ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ۲۴

امام احمد رضا نے اس فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے لکھا۔

"الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط

نہ اس کی طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا مگر

یہ عدم جواز اس شرط یالازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم مطلق، معاملت جس

کے لیے شرع میں اصلاً اصول نہیں" ۲۵

فتویٰ مبسوط ہے قرآن واحادیث کے دلائل سے مزین ہے آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی علمیت پر

اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل دہی

ٹھہرا کر مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع اپنا لینا ممنوع اس الٹی عقل کا کیا علاج مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف اسلام بلکہ نفسِ اسلام کو پلٹ دیا مشرکین سے وداد و اتحاد بلکہ غلامی و انقیاد فرض کیا خوشنودی ہنود کے لیے شعائر اسلام بند اور شعائر کفر کا ہاتھوں پر علم بلند مشرکین کی جے پکارنا ان کی حمد کے نعرے مارنا انھیں اپنی اس حاجت دینی میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدار ایمان ٹھہراتے ہیں یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں۔" ۲۶

امام احمد رضا کی اس تصدیق کو مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نے درج ذیل مکتوب گرامی کے ہمراہ پروفیسر مولوی حاکم علی کی جناب میں ارسال کیا۔

مد مکرم کرم فرما مولوی حاکم علی صاحب بی اے سلمہم

بعد اہدائے ہدیہ مسنونہ ملتمس کل گیارہ بجے آپ کا فتویٰ آیا اس وقت سے شب کے بارہ بجے تک اہم ضروریات کے سبب ایک حرف لکھنے کی فرصت نہ ہوئی آج صبح بعد وظائف یہ جواب ارقام فرمایا امید ہے کہ فتاوی کی نقل کے بعد آج ہی کی ڈاک سے مرسل ہو اور مولیٰ تعالیٰ قادر ہے کہ کل ہی آپ کو پہنچ جائے ماموں کے وقت پر وصول سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری عفی عنہ

۱۵ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ ۲۷

موالات سے متعلق دیگر تفصیلات تو کتاب "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنہ" میں دیکھی جا سکتی ہے لیکن اس بحث کا لب لباب درج ذیل ہے

موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو۔ قال تعالیٰ لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم

الآخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او

ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم“ ۲۸

”تم نہ پاؤگے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ انکے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں“

موالات دو قسم ہے۔

اوّل حقیقیہ: جس کا ادنیٰ رکون یعنی میلان قلب ہے پھر وداد پھر اتحاد پھر اپنی خواہش سے بے خوف وطمع انقیاد پھر تبتل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ ۲۹

”ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے مگر میل طبعی جیسے ماں باپ اولاد، زن حسینہ کی طرف کہ جس قدر بے اختیار ہو زیر حکم نہیں پھر بھی اس تصور سے کہ یہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں ان سے دوستی حرام ہے“

دوم صوریہ: کہ دل اس کی طرف مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت و میلان کا پتا دیتا ہو یہ بحالت ضرورت و مجبوری صرف بقدر ضرورت و مجبوری مطلقاً جائز ہے قال تعالیٰ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ۔ ۳۰ — بقدر ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدم اظہار عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اکتفا کرے اور اظہار محبت کی ضرورت ہو تو پہلو دار بات کہے صریح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی رخصت اور اب بھی ترک عزیمت۔

صوریہ کی اعلیٰ قسم مداہنت ہے اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری و اکراہ ہی ہے اور ادنیٰ قسم مدارات یہ بھی بمصلحت جائز۔ ۳۱

یہ ہے اس بحث کا اختصار جسے امام احمد رضا نے قرآن و احادیث اور اقوال صحابہ و آئمہ کی روشنی میں سو صفحات پر مشتمل المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنۃ نامی رسالے میں بیان کیا ہے۔ ان کی اس تحریک کی مخالفت کا مقصد اہلِ ہنود کے عزائم کا قلع قمع تھا کیونکہ بقول ڈاکٹر

مطلوب حسین قریشی۔

"ترک موالات کا مقصد بظاہر حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد کا اظہار و عدم تعاون تھا لیکن در پردہ ایسے حالات پیدا کرنا جن کی وجہ سے مسلمان تمام چیزوں سے محروم ہو جائیں اور ہر جگہ ہر محکمہ میں صرف اہل ہنود باقی رہ جائیں" [۳۲]

جو لوگ ترک موالات کے حامی جس میں پیش پیش مولانا ابوالکلام آزاد تھے وہ آیۃ کریمہ "قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ" [۳۳] میں کافۃ سے مراد دو فقرے لیتے تھے۔

اول یہ کہ ہنود میں مقاتل فی الدین صرف وہی ہیں جنہوں نے وہ مظالم کیے تو مقاتل نہیں مگر مقاتل بالفعل جس نے ہتھیار اٹھایا اور قتال کو آیا تاکہ عامہ ہنود کو قاتلوکم فی الدین سے بچالیں۔

دوم یہ کہ جو مقاتل بالفعل نہیں اس سے اظہار عداوت فرض نہیں تاکہ بزور زبان ان سے وداد و اتحاد کی راہ نکالیں۔ اب آیۃ کریمہ میں چار احتمال ہیں۔

اول: دونوں کافۃ مسلمانوں سے حال ہوں یعنی تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے۔

دوم: دونوں مشرکین سے حال ہوں یعنی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

سوم: پہلا کافۃ مشرکین سے حال ہو اور دوسرا مومنین سے یعنی تم بھی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ یہ قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔

چہارم: اس کا عکس یعنی سب مسلمان مشرکوں سے لڑیں جس طرح سب مشرک مسلمانوں سے لڑتے ہیں کبیر میں اسی کو ترجیح دی اور لباب میں اسی پر اقتصار کیا۔" [۳۴]

تحریک ترک موالات کے علمبردار علماء کے نظریات قرآن و احادیث کے علاوہ اقوال صحابہ و ائمہ سے بھی متصادم تھے اس لیے امام احمد رضا کے علاوہ ان کے خلفاء و تلامذہ نے اس نظریہ کی تردید اور اس کی بیخ کنی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو داؤ پر لگا دیا جس میں انہیں کافی حد

تک کامیابی بھی ملی۔

مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو امام احمد رضا کے ارشد خلفاء میں شمار ہوتے تھے انہوں نے جس بے باکانہ انداز میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے حواریین کے باطل نظریات کا قلع قمع کیا اس سے ان کی علمی عبقریت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے شروع میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا تادم زیست اسی پر اٹل رہے اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان کی صداقت شعاری آشکار ہوتی گئی۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں۔

"مرحوم (مولانا سید سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ برقائم ہے سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ برقائم رہے۔" ۳۵

خلافت اور ترک موالات دونوں سے متعلق انہوں نے طویل بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب میں ہندوؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے ہیں۔ مقامات مقدسہ خلافت اسلامیہ کے مسائل سے اختلاف نہیں اختلاف ان حرکات سے ہے جو منافی دین ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف نے پھر تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کیا امور ہیں جو اس تحریک میں منافی دین ہیں اور ان پر شریعت کی طرف سے کیا حکم صادر ہونا چاہیئے۔ تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا "کے بعد لکھتے ہیں۔

(۱) کافر سے ساتھ دلی دوستی اور قلبی محبت کفر ہے۔

(۲) دل میں کافر کی دوستی نہیں لیکن عمل دوستوں کے مانند مثل یہ حرام ہے۔

(۳) قلب محبت کفر و کفار سے پاک بلکہ بیزار لیکن کافر کے مذہبی اعمال میں عملاً شرکت کی جائے یہ حرام ہے۔

(۴) کافر کے دین کی حمایت حرام ہے۔

(۵) کافر کی ایسی مدد کرنا جس سے دین اسلام کا یا مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

(۶) کافر سے ایسی مدد لینا جس میں اپنے دین یا اپنے دینی بھائیوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے
(۷) مدارات فعل جمیل عمل معروف بر و احسان اور عدل و انصاف ہر حال میں جائز ہیں بلکہ بعض کفار کے ساتھ احسن وانسب۔

(۸) دنیاوی کاروبار اور لین دین ہر کافر حربی اور غیر حربی سے جائز کسی وقت بھی حرام نہیں
(۹) ان احکام میں کفار ہند اور کفار یورپ سب مساوی ہیں بجز اس کے کہ کفار اہل کتاب کا کھانا کھانا اور نکاح میں کتابیہ عورت کا لانا بموجب حکم قرآن پاک مباح و جائز ہے اس کے سوا جملہ احکام شرعیہ کفار اہل کتاب و کفار غیر اہل کتاب دونوں کے لیے یکساں ہیں" ۳۶

امام احمد رضا کی زندگی میں متعدد سیاسی مسائل ابھر کر سامنے آئے مگر وہ مسائل جو شریعت سے متصادم تھے انہوں نے اسے قطعاً برداشت نہیں کیا اور جس بھی طرح ممکن ہو سکا اس کی مخالفت کی جس کے سبب اپنے تو اپنے انصاف پسند معاندین بھی ان کی مدح میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔
مولانا کوثر نیازی سابق وزیر وفاقی حکومت پاکستان کا یہ تبصرہ یہاں برمحل ہو گا فرماتے ہیں۔

"تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور ایک اہم بحث کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب ان سارے موضوعات پر جو امام احمد رضا کا نقطۂ نظر تھا ہر چند کی اس پر گرد اڑائی جا رہی ہے لیکن علمی سیاست کو تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی ان کا موقف ہے کسی اور کا نہیں، تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدا دی کہ انگریز کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیوں ہندو سے کیوں نہیں ؟ ہر مشرک اور تمام کافر کے بارے میں ترک موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلانا گاندھی کی آندھی میں گرفتار ہونے کے مترادف تھا۔ اعلیٰحضرت (امام احمد رضا) نے جو اس سلسلہ میں سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا۔ ہے وہ

حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا۔" ۳۷

تحریک ترک موالات کو من وعن تسلیم کرنے میں کتنی شرعی قباحتیں تھیں اور اس سلسلہ میں علمائے حق کا رجحان کیا تھا اس کی صراحت ڈاکٹر سید جمال الدین نے اس طرح کی ہے۔

"ان کا خیال تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ شعائر دینی جیسے قربانی گاؤ کو ختم کیا جارہا ہے اصل مقصد خلافت کی حفاظت نہیں سوراج ہے اور چونکہ ملک کی اکثریت ہندوؤں کی ہے لہٰذا سوراج کا مطلب ہندوراج ہوگا۔ خلافت مذہبی تحریک ہے تو اس کی قیادت ایک مشرک کے سپرد کیوں کی گئی ہے مشرک کو منبر رسول پر کیوں بٹھایا گیا کیوں مسلم لیڈروں نے قشقہ لگایا اور مشرک کی ٹکٹکی اٹھائی۔" ۳۸

لیکن بعض علمائے حق جس میں بدایوں اور فرنگی محل، لکھنؤ کے علماء پیش پیش تھے ان تحریکوں کا ساتھ دیا اور ہر طرح گاندھوی سیاست کی تائید کی امام احمد رضا نے ایسے علماء کا بھی تعاقب کیا۔ جو سنی علماء امام احمد رضا کے قلم کا نشانہ بنے ان میں مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالباری، مولانا ابوالکلام آزاد اور گاندھی جی کے ہمنوا تھے ترک موالات میں ان کا وہی نظریہ تھا جس کے علمبردار گاندھی جی تھے ایک عرصہ تک انہوں نے اسی نظریہ کی اشاعت بھی کی جب امام احمد رضا کو ان کے اس نظریہ کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا عبدالباری کے پاس کئی خطوط ارسال کیے جس میں ترک موالات کو تسلیم کرلینے سے جو شرعی قباحتیں لازم آتی تھیں اسی کی طرف اشارہ تھا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ مولانا عبدالباری جو اسرار علوم قرآنی کے ماہر تھے مذہبیات پر گہری نظری تھی تحریک ترک موالات سے کیوں کر متاثر ہوئے اور کس طرح گاندھی اور مولانا آزاد کے ہم خیال ہوگئے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہر حال امام احمد رضا کی ان سے مسلسل خط و کتابت کے بعد حق آشکار ہوگیا اور وہ گاندھی جی کی اس تحریک سے قطع تعلق کرکے امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی تائید کرنے لگے۔ مولانا کوثر نیازی رقمطراز ہیں۔

" جب ہر طرح حق آشکار ہوگیا تو انہوں نے اعتراف جرم میں تساہل نہیں برتی اور ترک موالات سے اپنی توبہ کا اعلان شائع کر دیا اس توبہ نامہ میں درج ذیل عبارت درج تھی ۔

" مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ مجھے ان پر ندامت ہے زبانی تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصور نہیں کیا تھا لیکن مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں ان میں سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں ان کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خان کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں " ۳۹

علی برادران کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے ترک موالات کی حمایت پر مولانا احمد رضا نے جو مراسلات کی اس میں کچھ اشعار بھی تھے جس میں حالات حاضرہ کا بھرپور جائزہ ہے اور اس تحریک کے عمائدین پر کڑی تنقید بھی ، جن اشعار میں مولانا ابوالکلام آزاد کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے اس میں درج ذیل اشعار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں ۔

دانی چہ کرد ابوالکلام آزاد	آزاد ز دین و شرع و اسلام و رشاد
بستودہ صفات وپاک ز آتش گفتہ	در خطبہ جمعہ حمد گاندھی بنہاد

دانی چہ شد ابوالکلامت معلم	گفتا من بہر ہندوم مستسلم
گر بر ہند وگزندے آید زافغاں	بر یک ہندو فدا کنم دہ مسلم

دانی کہ چہ گفت ابوالکلام رخ زرد	عیسیٰ نہ نبی بود و نہ شرعی آورد
برادر کشید ندو یہود ش گشتند	بنگر کہ بحرف حرف قرآں رد کرد ۔

امام احمد رضا کے ان اشعار کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہے کچھ اشعار تو اسی پس منظر میں، ہیں جو انہوں نے ناگ پور خلافت کانفرنس میں گاندھی کی تعریف میں کی تھیں. اخبار" زمیندار" اور اخبار" تاج" جبلپور ص ۱۰۸ کی صراحت کے مطابق انہوں نے خلافت کانفرنس کے پنڈال میں جمعہ پڑھایا اور خطبے میں گاندھی جی کی صداقت و حقانیت پر قسمیں کھائیں اور الہ آباد کے ایک جلسۂ عام میں کرسی صدارت سے اعلان فرمایا کہ" مقامات مقدسہ کا فیصلہ اگرچہ ہمارے حسب دلخواہ بھی ہو جائے تب بھی اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک گنگا اور جمنا کی مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں گے۔" [۴۱]

ان اشعار کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا ہو گا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے دل میں مسلمانوں کے لیے کس درجہ ہمدردی تھی ہمارے خیال سے اگر انہیں امت مسلمہ سے واقعی الفت و محبت ہوتی تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے۔

"اگر کسی ہندو کو افغان سے کوئی تکلیف پہنچی تو میں ایک ہندو کی خاطر دس مسلمانوں کا خون بہانا روا سمجھوں گا۔"

یہ تھے قوم کے سچے ہمدرد کی مخلصانہ سچی ہمدردی کی باتیں جنہیں ان کے متبعین آج "امام الہند" کہہ کر خراج تحسین و عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مگر ان ابن الوقتوں کے برخلاف امام احمد رضا نے مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی زندگی کو مدنظر رکھ کر حقائق و معارف کی روشنی میں جو نظریہ قائم کیا تھا وہ صد فی صد صحیح اور مبنی برحقیقت تھا

آزاد مگر نہ تو بے شک مشرک	وہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردے	برناخن مسلمے فدا لک مشرک۔ [۴۲]

تحریک خلافت جس کے زیر سایہ تحریک ترک موالات کی نشو ونما ہوئی امام احمد رضا نے اس تحریک سے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور جو لوگ اس تحریک میں پیش پیش تھے ان پر کڑی تنقیدیں کی ہیں رسالہ" دوام العیش فی الائمۃ من قریش" خلافت کے باطل اصولوں کی تردید میں معرکۃ الآراء تصنیف ہے کتاب کی تیسری فصل مولانا ابوالکلام آزاد،

کے رسالہ "خلافت" کے مندرجات پر تنقید اور ان کی سیاسی اور قیاسی لغزشوں پر گرفت کے لیے خاص ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بزعم خویش میدان سیاست کے شہ سوار اور بحر علم و ادب کے در آبدار تھے مگر امام احمد رضا کے نزدیک ان کا علمی مقام کیا تھا اس کا اندازہ درج ذیل عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ مولانا عبدالباری کو تو علماء میں شمار کرتے تھے۔ مگر مولانا ابوالکلام آزاد کو خاطر میں نہ لاتے تھے مولانا آزاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث و فقہ کا سمجھنا اور، وہ من کا ترجمہ "سے" اور الیٰ کا ترجمہ "تک" کر لینے سے نہیں آتا"۔ ۴۳

مولانا ابوالکلام آزاد کو اگر مذہب کا درک ہوتا تو سیاست میں وہ اس درجہ نہ بہکتے اور زبان و قلم سے وہی کہتے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہوتا ان کے اسی علمی سطحیت کے پیش نظر امام احمد رضا انہیں "مسٹر" کہا کرتے تھے اس سلسلہ میں وہ کہاں تک حق بجانب تھے اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ممکن ہوگا جب مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح امام احمد رضا کی شخصیت کو پڑھا جائے اور ریسرچ و تحقیق کے لیے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو موضوع بنایا جائے۔

امام احمد رضا کا مولانا ابوالکلام آزاد سے کوئی موازنہ نہیں شاید اسی لیے انہوں نے کبھی کسی معاملے میں آزاد کو اپنے منہ نہ لگایا ان کے تلامذہ ہی مولانا آزاد کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ جمعیت العلماء کانفرنس بریلی جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے اس کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر بریلی کی سرزمین پر ایک ہنگامہ تھا ۱۲، ۱۳، ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۲، ۲۳، ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد کی صدارت میں بریلی کی سرزمین پر منعقد ہونے والی کانفرنس کو اہلِ بریلی کبھی فراموش نہیں کر سکتے اس کانفرنس میں جماعت رضائے مصطفےٰ کے کارکنان بھی شریک ہوئے جس میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، رئیس المتکلمین مولانا سید سلیمان اشرف اور حضرت مفتی مولانا محمد برہان الحق جبلپوری، بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید سلیمان اشرف نے قیادت اور ترجمانی کے فرائض انجام دیئے

اس کانفرنس کے انعقاد کے کوئی ساڑھے سات ماہ بعد ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا کا اپنے محبوب حقیقی سے وصال ہوا۔ لیکن مولانا آزاد کے دست راست اور معتمد خاص عبدالرزاق ملیح آبادی نے فاضل بریلوی سے متعلق جو تاریخ اور واقعہ گڑھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

"کلکتہ سے مولانا کے ساتھ بریلی میں بھی پہنچا رات کو اجلاس تھا۔ مگر شام ہی سے خبریں آنے لگیں کہ کانفرنس نہیں ہونے پائے گی احمد رضا خان تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان تو موجود ہیں!" ۱۴۴

مولانا ابوالکلام آزاد کے معتمد خاص کا یہ بیان پڑھنے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ خط بھی پڑھیے جو انہوں نے کانفرنس کے دوران امام احمد رضا کی بارگاہ میں ارسال کیا تھا تاکہ امام احمد رضا کے موت و حیات کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بریلی۔ ۱۳ ر رجب ۱۳۳۹ھ

"بخدمت جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی دام مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"مسئلہ تحفظ و صیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات و اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔

چونکہ جمعیت العلماء کا جلسہ یہاں منعقد ہو رہا ہے اور یہی مسائل اس میں زیر نظر و بیان ہیں اس لیے جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ رفع اختلافات اور مذاکرہ و نظر کا یہ مناسب و بہتر موقع پیدا ہو گیا ہے جناب جلسہ میں تشریف لائیں اور ان مسائل کی نسبت بطریق اصحاب علم و فن گفت گو فرمائیں۔ میں ہر طرح عرض و گذارش کیلئے آمادہ و مستعد ہوں۔

فقیر ابوالکلام احمد کان اللہ لہٗ۔" ۱۴۵

اب آپ انصاف سے بتائیں کہ ایسے مورخین جنہیں حقائق و معارف کا قطعاً علم نہ ہو اس

طرح کی بے سر وپا باتیں لکھ مصنفین کی فہرست میں اپنا نام شامل کرنا اور بلا وجہ اپنی اہمیت کسی کے سر تھوپنا کہاں کی دیانت ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی اس تحریر اور ان کے معتمد خاص ملیح آبادی کے مذکورہ بیان "احمد رضا خان تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان تو موجود ہیں" کے تناظر میں تبصرہ کرتے ہوئے مولانا یٰسین اختر اعظمی رقمطراز ہیں۔

"زندہ در گور کرنا شاید اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ خدمات جلیلہ ہیں جن کے صلے میں ایسے مورخین کو تاریخ دانی بلند نظری اور روشن خیالی کے تمغہ جات پیش کیے جاتے ہیں جو یقیناً ایک المیہ سے کم نہیں اور اصحاب عدل و انصاف کی گردنیں اس پر شرم سے جھک جانی چاہئیں" [۴۶]

مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت میں اڑتیس سال گزارنے والے ذکر آزاد کے مصنف عبدالرزاق ملیح آبادی کی حقائق سے غفلت کی یہ ایک مثال ہے اس طرح اور بھی باتیں ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا واسطہ نہیں مگر انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ انہیں اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

جمعیت العلماء کانفرنس بریلی میں ترک موالات کا مسئلہ موضوع بحث تھا اس مسئلہ سے متعلق مولانا آزاد متعدد مقامات پر اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے مگر اس کانفرنس میں علمائے اہلسنت کے درمیان جو انہیں ناکوں چنے چبانے پڑے وہ ناقابل بیان ہے جلسہ کا باضابطہ آغاز مولانا ابوالکلام آزاد کی افتتاحی تقریر سے ہوا جس میں انہوں نے فرمایا۔

"اس جلسہ میں ایسے دوست اور بھائی بھی موجود ہیں جو ہمارے مسلک سے متفق نہیں ہیں اور یہ کوئی بری بات نہیں نیک نیتی پر مبنی اختلاف خیال یقیناً امت مرحومہ کے لیے موجب رحمت ہے لہٰذا میں ان بھائیوں اور دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے خیالات اور وجوہ اختلاف پوری آزادی سے پیش کر کے ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیں۔" [۴۷]

علمائے اہلسنت کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان اشرف نے اظہار

خیال فرمایا اور ایسی فصیح و بلیغ تقریر فرمائی کہ بقول عبدالرزاق ملیح آبادی۔

"رضا خانی جماعت کے ترجمان اور خطیب مولانا سید سلیمان اشرف تھے اور اس میں شک نہیں کہ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے موصوف کی تقریر نے جو بہت لمبی تھی کانفرنس کو ہلا ڈالا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب اور کچھ کہنا ممکن نہیں"۔[۴۸]

مولانا سید سلیمان اشرف نے اپنی تقریر میں باطل کے پرخچے اڑا دیئے تحریک خلافت کے قائدین کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں ایسی دھواں دھار تقریر مولانا نے جو اس موقع سے کی شاید ہی کبھی کی ہو بقول حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔

"مجمع مولوی سید سلیمان اشرف کی تقریروں کو دل لگا کر سن رہا تھا لوگوں کو شکایت ہو رہی تھی کہ مولانا بلند آواز سے تقریریں کریں یہاں تک آواز اچھی طرح نہیں پہنچتی اللہ اکبر کے نعرے لگائے جاتے تھے"۔[۴۹]

الغرض جوشِ خطابت میں مولانا سید سلیمان اشرف نے ترک موالات سے متعلق جتنی شرعی قباحتیں تھیں سب انہوں نے مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہونے والے اجلاس میں مولانا آزاد کے منہ پر کہہ ڈالیں اور ببانگ دہل یہ فرمایا۔

"یہ لوگ موالات کو حکم شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لیے آیتیں تلاوت کرتے ہیں مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کے ساتھ ہنود سے موالات فرض سمجھتے ہیں آج تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف ترک موالات بتاتی ہے اور ہنود سے موالات نہ تنہا موالات بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے"۔[۵۰]

مولانا سید سلیمان اشرف کے انداز خطابت نے لوگوں کو اس درجہ متاثر کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا شعلہ بار مقرر بھی دم بخود رہ گیا آزاد نے بڑے جوش و ولولے کے ساتھ اپنی تقریر کا آغاز کیا بقول ان کے معتمد خاص عبدالرزاق ملیح آبادی۔

"اب سمندر میں طوفان آنا شروع ہو گئے آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے زلزلوں نے

زمین کو الٹ پلٹ کر ڈالا۔ستارے ششدر رہ گئے۔ چاند بھی انسانی طلاقت لسانی پر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ [۵۱]

مگر ملیح آبادی کے اس تاثر کے برخلاف مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا تاثر بالکل برعکس ہے وہ فرماتے ہیں۔

" جس وقت ابو الکلام تقریر فرمارہے تھے میں ان کے برابر بیٹھا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ ان کا بدن بید کی طرح لرز رہا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس مقابلہ کا اثر تھا یا ان کی عادت ہی ہے " [۵۲]

بہرحال بریلی کی جمعیت کانفرنس اس لیے بڑی یادگار کانفرنس تھی کہ وہاں آزاد کو بڑے دشوار گزار مراحل سے دوچار ہونا پڑا ہے ایک تاجر جو ابو الکلام آزاد کے ساتھ شریک سفر تھا اس کا بیان ہے کہ

" ابو الکلام جس وقت بریلی سے جارہے تھے میں ان کے ساتھ تھا وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ان (علمائے اہلسنت) کے جس قدر اعتراض ہیں حقیقت میں سب درست ہیں ایسی غلطیاں کیوں کر کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے "[۵۳]

عبدالرزاق ملیح آبادی نے بریلی کانفرنس کی روداد " ذکر آزاد " میں بڑے گمراہ کن الفاظ میں بیان کی ہے لکھا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد کی تقریر کے بعد

" مولانا سید سلیمان اشرف کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ مولانا آزاد کی تقریر نے ہمیں مطمئن کر دیا ہے اور اب ہم خلافت تحریک کے مخالف نہیں رہے مولانا حامد رضا خان بھی اٹھے اور صاف لفظوں میں فرمانے لگے سب غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں اب ہم سب کے ساتھ ہیں۔ " [۵۴]

فاضل سوانح نگار کا یہ اتنا صریح جھوٹ ہے جس سے زبان ملوث کرنے میں کراہت ہو رہی ہے مگر ملیح آبادی اپنی اس کذب بیانی پر فخر کر رہے ہیں۔ دروغ گوئی جس کی عادت ثانیہ بن چکی ہو لوح و قلم کی پرورش کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کانفرنس کی روداد کا ہر ہر لفظ از ابتدا

تا اظہار مبنی بر تعصب ہے جس کتمانِ حق کے لیے " لعنۃ اللہ علی الکذبین " سے انہوں نے دریغ نہ کیا واقعہ یہ ہے۔

• مولانا حامد رضا خان نے ابوالکلام آزاد سے فرمایا آپ توبہ کیجئے انہوں نے کہا کس چیز سے، تو آپ نے فرمایا اپنے کفریات سے۔ یہ سن کر وہ بھوچکا رہ گئے...
ایک طرف سے مولانا برہان میاں اعتراض کرتے ہیں ایک طرف سے مولوی حسنین رضا خان صاحب الزام دیتے ہیں وہ (آزاد) سوائے قسمیں کھانے اور اپنے اوپر لعنت کرنے اور کچھ جواب ہی نہیں دے سکتے تھے، یہ تمام کارروائی کر کے مولانا حامد رضا خان صاحب نے ان سے دستخطی تحریر چاہی انہوں (آزاد) نے روداد میں چھاپنے کا وعدہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک ہمارے ان ستر سوالات کے جواب نہ ملیں اور ہر شخص اپنے کفریات سے توبہ نہ کرے اس وقت تک ہماری آپ کی صلح نہیں " ۵۵

یہ تھا اصل واقعہ جسے ملیح آبادی نے حسب عادت توڑ مروڑ کر پیش کیا بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو، امام احمد رضا اور ان کے تلامذہ نے باطل کی شکست و ریخت کے لیے ہر ممکن جدوجہد کی اور خلاف شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی سے بڑی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، جس کے سبب امام احمد رضا امت مسلمہ کی نظروں میں محبوب رہے ایک بڑی جماعت نے ان کے نظریات کی تائید اور مذہبی نقطۂ نظر کی تقلید کی، اکثر دانشوروں نے ان کی علمی عبقریت کو سراہا موافقین و معاندین سب نے یکساں طور پر ان کی فقہی بصیرت کو تسلیم کیا۔ ان کے نام اکیڈمیاں، انجمنیں، مدارس، تنظیمیں قائم ہوئیں۔ متعدد عبادت گاہوں کو بھی ان کے نام منسوب کیا گیا۔ ہندو پاک ہی نہیں بلکہ عالمی جامعات کے محققین و ریسرچ اسکالرز ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اکثر خانقاہوں میں ان کی متصوفانہ زندگی کے چرچے ہیں، جس قدر ان پر تحقیق ہوتی ہے اسی قدر ان کی علمی عبقریت کا پتا چلتا ہے۔ خدا جانے وہ کتنی خوبیوں کے مالک تھے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی علمی عظمت کا اعتراف کرنے والے مل جائیں گے۔ اس کے برخلاف

مولانا ابوالکلام آزادؒ "امام الہند" بن کر برصغیر کی وسعتوں میں گم ہو گئے جب انہوں نے تقلید سے انحراف کیا آباؤ اجداد کے مسلک سے روگردانی کی تو بعد ممات ان کی تقلید کوئی کیونکر کرتا دنیا سے رخصت ہوتے ہی وہ تغافل اور بے اعتنائی کا شکار ہو گئے ان کے نام سے حکومت ہند نے مسلمانوں کی خوشنودی کے لیے اکیڈمیاں ضرور قائم کی ہیں مگر ان کے افکار عالیہ پر وہاں کتنا کام ہوتا ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

حواشی و حوالے

۱ھ ہفت روزہ "چٹان" جلد ۱۸، شمارہ ۷، ص ۳۳، لاہور۔

۲ھ روزنامہ "جنگ" کراچی ص ۶، جنوری ۱۹۷۹ء، بحوالہ گناہ بے گناہی مؤلفہ پروفیسر مسعود احمد ص ۴۲۔

۳ھ ہفت روزہ "چٹان" جلد ۱۸ شمارہ ۷، ص ۳، لاہور۔

۴ھ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۱۴۰، دہلی ۱۹۵۸ء۔

۵ھ ذکر آزاد، عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۱۲۱، کلکتہ ۱۹۶۰ء۔

۶ھ آزاد کی کہانی۔ ابوالکلام آزاد ص ۱۶۱، دہلی ۱۹۵۸ء۔

۷ھ آزاد کی کہانی۔ ابوالکلام آزاد ص ۳۶۱۔

۸ھ ہفت روزہ "الجمعیۃ" ص ۲، جنوری ۱۹۷۱ء۔

۹ھ ابوالکلام آزاد۔ احوال و آثار مصنفہ مسعود الحسن عثمانی ص ۵۷، لکھنؤ ۱۹۷۷ء۔

۱۰ھ الہلال۔ آزاد، ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء۔

۱۱ھ ہفت روزہ "چٹان" لاہور، ص ۲۸۔

۱۲ھ اخبار مشرق گورکھپور جلد ۱۵، ص ۱۳، جنوری ۱۹۲۱ء۔

۱۳ھ اشتہار منجانب یوسف کھرگ پوری مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۰ء الہ آباد۔

۱۴۔ دوامِ المجیر۔ جماعت رضائے مصطفےٰ، ص ۲۴، ۱۳۴۰ھ۔

۱۵۔ دوام العیش۔ امام احمد رضا، ص ۶۳، بریلی۔

۱۶۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست۔ جلال الدین، ص ۸۰، لاہور۔

۱۷۔ گناہ بے گناہی۔ پروفیسر مسعود احمد، ص ۶۵۔

۱۸۔ کلمۃ الحق۔ معین الدین اجمیری دہلی ۱۹۲۱ء بحوالہ گناہ بے گناہی، ص ۴۴۔

۱۹۔ دوام العیش۔ امام احمد رضا، ص ۶۸۔

۲۰۔ لمعات آزاد۔ مالک رام، ص ۲۰۵، دہلی ۱۹۷۴ء۔

۲۱۔ تبرکات آزاد، غلام رسول مہر ص ۴ ۱۶، دہلی ۱۹۶۳ء۔

۲۲۔ انوار رضا، لاہور، ص ۴۹۰۔

۲۳۔ انوار رضا، ص ۳۷۴ لاہور ۱۳۹۷ھ

۲۴۔ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ۔ امام احمد رضا حاشیہ ص ۲، بریلی ۱۳۳۹ء۔

۲۵۔ ایضاً ، ، ص ۵۔

۲۶۔ ایضاً ، ، ، ص ۵۔

۲۷۔ ایضاً ، ، حاشیہ ص ۳۔

۲۸۔ المجادلۃ۔ ۲۲۔

۲۹۔ ھود۔ ۱۱۳۔

۳۰۔ آل عمران۔ ۲۸۔

۳۱۔ المحجۃ المؤتمنہ امام احمد رضا ص ۲۹۔

۳۲۔ معارف رضا، جلد ہفتم ص ۱۵۷، کراچی ۱۹۸۷ء۔

۳۳۔ التوبہ۔ ۳۶۔

۳۴۔ المحجۃ المؤتمنہ۔ امام احمد رضا ص ۳۰۔

۳۵۔ گنجہائے گرانمایہ۔ رشید احمد صدیقی ص ۳۰، ۳۱، لاہور۔

۳۶ النور۔ سید سلیمان اشرف ص ۱۰۴، علی گڑھ ۱۹۲۱ء۔

۳۷ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی ص ۳۷۔ ۱۹۹۰ء

۳۸ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، سید جمال الدین، ص ۲۸، دہلی ۱۹۹۱ء

۳۹ دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ادارت خواجہ رضی حیدر و حاجی احمد مجاہد ص ۳۷، کراچی ۱۹۸۲ء۔

۴۰ الطاری الداری۔ امام احمد رضا، ص ۹۱، جلد ۳۔

۴۱ معارف رضا ص ۱۹۶، کراچی، ۱۹۸۹ء۔

۴۲ الطاری الداری۔ امام احمد رضا جلد ۳، ص ۹۵۔

۴۳ دوام العیش۔ امام احمد رضا، ص ۶۹۔

۴۴ ذکر آزاد۔ عبدالرزاق ملیح آبادی، ص ۱۲۲۔

۴۵ مکاتیب ابوالکلام آزاد، ص ۱۶۳، کراچی، ۱۹۶۸ء۔

۴۶ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، مولانا یٰسین اختر اعظمی ص ۴۳۔

۴۷ ذکر آزاد۔ عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۱۲۴۔

۴۸ ایضاً 〃 〃 ص ۱۲۴۔

۴۹ دوامغ الحمیر، ص ۵۶۔

۵۰ ایضاً ص ۵۵۔

۵۱ ذکر آزاد، ملیح آبادی ص ۱۲۵۔

۵۲ دوامغ الحمیر ص ۵۶۔

۵۳ ایضاً ص ۵۷۔

۵۴ ذکر آزاد۔ ملیح آبادی ص ۱۲۵۔

۵۵ دوامغ الحمیر ص ۵۷۔
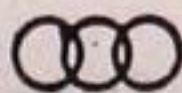
ooo

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

امام احمد رضا

اور

عبد الرزاق ملیح آبادی

از : ــــــ محمد نوشاد عالم چشتی

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۴-۶-۱۸۵۶ء تا ۲۸-۱۱-۱۹۲۱ء) مسلمانانِ برصغیر کے غالب سُنی اکثریت کے نزدیک "امام اہل سنت" ہیں تو محی الدین ابوالکلام آزاد" بھی اپنے حلقے میں" امام الہند" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ فاضل بریلوی پر سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی اکثریت نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا، تو آزاد صاحب کو "قوم پرست" مسلمانوں کے قلیل طبقہ نے اپنا رہنما تسلیم کیا۔ اگرچہ

مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والوں کی صف میں فاضل بریلوی کے علاوہ آزاد صاحب بھی شامل ہیں مگر ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فاضل بریلوی کے نزدیک مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل احکامِ شریعت پر کارفرما ہونا، قرآن و سنت کی تشریحات کو ہمیشہ لئے قابلِ عمل تسلیم کرنا اور رسالت مآب علیہ السلام سے جذباتی وابستگی ہے۔ فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں : ؎

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

یا ؎ ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پہ پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا (فاضلِ بریلوی)

لیکن اس کے برعکس مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا کہنا ہے :-

"حدیث انسانی سوسائٹی کے لئے قانون کا سوتا (Law of sorce) نہیں ہوسکتی۔ عالمگیر ہدایت کا ضامن قرآن ہے، اور قرآن معدودے چند قوانین کا حامل ہے۔ یہ اس لئے کہ کوئی بھی قانون اختلاف ازمنہ وحالات کی وجہ سے ساری دنیا پر نہ نافذ ہوسکتا ہے، نہ مفید ہوسکتا ہے۔ دراصل شریعت کی اساس جلب مفاسد پر ہے" [1]

---

۱ : ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت - مرتبہ رشید الدین خاں۔ اشاعت اول ۱۹۸۹ء ناشر ترقی اردو بیورو نئی دہلی صفحہ ۸۶

مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"میں مسلمانوں سے خاص طور پر دو باتیں کہوں گا۔ ایک یہ کہ "اپنے ہندو بھائیوں" کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔ اگر ان میں سے کسی "ایک بھائی" یا کہ "ایک جماعت" سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں۔ اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتحاد کو صدمہ پہنچے۔ دوسری بات یہ ہے کہ "مہاتما گاندھی" پر پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی "ایسی بات نہ چاہیں جو اسلام کے خلاف ہو" اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی سے ان کے مشوروں پر کاربند رہیں۔" [۲]

"مسلمان گاندھی جی کے مشوروں پر کاربند رہیں"، جیسی نصیحت دینے والے آزاد صاحب کو "اسلامی بصیرت" حاصل ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔ ایک جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا :-

"میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں ایک مسلمان پر حب وطن کے لحاظ سے مذہب کے اعتبار

---

۲ : بیس بڑے مسلمان۔ مرتبہ عبدالرشید ارشد۔ اشاعت چہارم ۱۹۸۳ء ناشر مکتبہ رشیدیہ لاہور پاکستان۔ ص ۲۳۷۔

سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ" ترک موالات کرے"۔ ١

اول اللہ کر حوالے کی عبارت پر غور تو کریں کہ کس طرح آزاد صاحب نے لفاظی کا سہارا لے کر حدیث و قرآن کی اساسی حیثیت پر ہاتھ صاف کر دیا ہے۔" حدیث انسانی سوسائٹی کے لیے قانون کا سوتا نہیں ہو سکتی۔" اس عبارت کی معنویت پر سوچیں کہ اس میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اسلامی قوانین کے ماخذ ہی قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس ہیں، جس میں بنیادی اہمیت قرآن و حدیث کو حاصل ہے۔ اگر یہی بات کوئی کھلا کافر یا مستشرق کہتا تو یقیناً اس کی مخالفت میں" سارے کلمہ گو" حضرات چیخ چیخ کے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ لیکن آزاد صاحب جیسے" امام الہند" کی زبان کو کون پکڑے۔ آزاد صاحب اپنے والد ماجد مقتدائے اہل سنت حضرت علامہ خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی فکر سے منحرف ہو چکے تھے۔ لہذا آزاد صاحب کی اس فکری روش کے خلاف مقتدر علمائے اہل سنت نے صدائے احتجاج بلند کیا فاضل بریلوی نے بھی اس طرح کے" آزادانہ" قول، فعل پہ شرعی گرفت فرمائی۔ نتیجتاً آزاد صاحب کے معتمد خاص مولوی عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی، گروہی عصبیت سے متاثر ہو کر اپنی تصنیفات میں فاضل بریلوی پر نہایت سنگین قسم کے الزامات عائد کیے، جسے ذکر کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کو ملیح آبادی صاحب کا تعارفِ زندگی حاصل ہو جائے۔ آزاد صاحب ملیح آبادی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں :۔

---

١ :۔ روزنامہ زمیندار لاہور، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء صہ۳۔ کالم ١۔

"مولوی عبدالرزاق صاحب کا وطن ملیح آباد (لکھنؤ) ہے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم ندوہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ (مصر) چلے گئے، اور مدرسۂ دعوۃ ارشاد میں داخل ہو گئے جسے شیخ سیّد رشید رضا صاحب ایڈیٹر المینار نے جاری کیا تھا تقریباً تین سال تک وہاں علوم ادبیہ اور تفسیر قرآن وغیرہ کی تحصیل کرتے رہے اور خود وہاں کے مصری طلبا پر اپنی ذوق علم اور طلب صادق سے بدرجہا فوقیت لے گئے۔ مصر سے قسطنطنیہ گئے، اور وہاں بھی مدت تک رہے۔ پھر ۱۹۱۸ء میں ہندوستان واپس آئے، اور اس وقت سے اب تک برابر علمی و قومی خدمات میں مشغول رہے۔ (چند سطر بعد)

دو سال ہوئے جب یہ مجھ سے ملے اور میں ان میں بہترین قابلیت علم و عمل نمایاں پائی۔ ملک کے ان مخصوص اہل علم نوجوانوں میں ہیں جن کی غیر معمولی قابلیتوں سے بہترین اُمیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے خدمت حق و دعوت کی راہ میں مجھ سے جو رشتہ رفاقت و اخوت جوڑا تھا وہ روز بروز قوی ہوتا گیا، اور ایک سچے رفیق اور بھائی کی طرح ان کی صداقت میرے دل کو جذب کرتی رہی۔ پچھلے دنوں جب مدرسہ جامع مسجد عربی کا افتتاح ہوا تو میں نے انہیں کلکتہ بلالیا۔ اور انہیں کی سعی سے مدرسہ قائم ہوا۔ لـه

ملیح آبادی صاحب آزاد صاحب کی بارگاہ میں کتنے "نیازمند" تھے قارئین اُسے اس حوالے کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

"مولانا آزاد نے صحافت کے میدان میں قدم رکھنے کی دو اور کوشش کیں۔ ایک سنہ ۱۹۲۱ء میں جب انہوں نے (۲۳ ستمبر) کو ہفتہ وار "پیغام" جاری کیا، اور دوسری جب سنہ ۱۹۲۷ء میں (۱۰ ار جون کو) انہوں نے الہلال کو دوبارہ زندہ کرنا چاہا۔ دونوں کوششوں میں دشواری یہ حائل ہوئی کہ اب مولانا آزاد کے پاس صحافت کے لئے وقت نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سیاست کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے ان پرچوں کا انتظام اپنے دوست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے سپرد کر دیا۔ "پیغام" کے ذریعہ "عدم تعاون" اور "خلافت تحریک" کے خیالات کی اشاعت ہوئی۔ اس پرچے میں اسلام کی بنیادی اصول پیش تو کیے گئے مگر اصلی توجہ سیاست حاضرہ پر تھی۔ الہلال بھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں شائع ہوا۔ [2]

---

[1]: ہفتہ وار پیغام۔ ۲، دسمبر ۱۹۲۱ء۔ مرتبہ ابو سلیمان شاہ جہاں پوری۔ ناشر ادارۂ تصنیف و تحقیق۔ کراچی، ص ۵۔

[2]: ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔ مرتبہ رشید الدین خاں۔ اردو ترقی بیورو نئی دہلی۔ ص ۹۳۔

آزاد صاحب کے "معتمد خاص" ملیح آبادی صاحب پس خیال وفکر کے حامی تھے اس کے متعلق جناب رشید الدین خاں صاحب کی رائے گرامی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں :۔

"کمیونزم کو اسلام دشمن قرار دینے والوں کی صفوں میں مولانا (آزاد) کا شمار کسی وقت ہوا ہوگا۔ لیکن ۱۸۔ ۱۹۱۶ء کے درمیان الہلال (دورِ دوم) میں کمیونسٹ مینی فسٹو نے (مارکس وانیگلز) پہلی بار اردو کے الفاظ دیکھے، اور ہندوستانی زبانوں میں دوسری بار، مولانا (آزاد) نے نہ صرف اسے گوارا کر لیا، بلکہ ان کے دائیں بائیں بازو بر دو اہل قلم اور "معتمد" نیاز مند تھے۔ دونوں کمیونسٹ خیال کے قاضی عبد الغفار، اور مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی۔ ؎۱

وقت کے ساتھ ساتھ آزاد صاحب مسلمانوں کے "دینی رہنما" کم اور "سیاسی لیڈر" زیادہ ہو گئے تھے۔ عدم تعاون یعنی تحریک ترک موالات، تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کے تعلق سے آزاد صاحب نے "سیاسی مفاد" کی تحفظ کے پیشِ نظر کچھ اس طرح کی بیان بازی کی جو قرآن وسنت کی تعلیمات سے یکسر مخالف تھے۔ فاضل بریلوی نے اس "آزادانہ قول وفعل" سے اختلاف کیا۔ آپ نے عوام کو اکابر اہل سنت کی تشریحات کی روشنی میں شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کیا۔ بس پھر کیا تھا ملیح آبادی صاحب اپنے ممدوح

؎۱ ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔ مرتبہ رشید الدین خاں۔ اردو ترقی بیورو نئی دہلی۔ ص ۲۷۳

آزاد صاحب کی حمایت میں فاضل بریلوی پر الزام تراشی اور بہتان بازی کا ایک سلسلہ جاری کر دیا۔ ملیح آبادی صاحب کے چند لنواز شات ملاحظہ کریں :۔

(۱) ملیح آبادی صاحب اپنی مرتب کردہ تصنیف " آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی " میں آزاد صاحب کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں ۔

" غالباً ۱۹۰۱ء کی بات ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اُن (والد صاحب) سے ملنے کے لئے کلکتہ آئے ، جن سے انکے برابر کے تعلقات رہے تھے اور بارہا ہم لوگوں سے کہا تھا کہ یہ شخص بلاشبہ صحیح الاعتقاد ہے ۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھ بعض اپنی تصانیف لائے ، اور چوں کہ شیخ احمد دحلان ، والد کے خاص دوست تھے ۔ اس لئے انہوں نے خاص طور پر اپنا ایک رسالہ دیا جو اُن (شیخ احمد دحلان) کے ردّ میں لکھا تھا اور اس میں " عدم ایمان ابوین آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور " ایمان ابوطالب " پر زور دیا تھا ۔

چنانچہ اس پر کچھ دیر تک والد نے اُن (فاضل بریلوی) کا ایسا تعاقب کیا کہ وہ ہکا بکا رہ گئے ، اور خاموش چلے گئے ۔ جانے کے بعد ہم سے کہا کہ اس شخص کے عقیدے میں بھی فتور ہے ۔ البتہ علمائے حال میں مولانا عبدالقادر بدایونی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعریف کرتے اور ان کی " حنفیت " پر معترض نہ تھے ۔ اھ

(۲) ملیح آبادی صاحب "ذکر آزاد" نامی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

" بریلی امام احمد رضا خاں کا گڑھ تھا، اور وہ وہاں کے گویا بے تاج بادشاہ تھے۔ انہیں کا حکم چلتا تھا اور وہ خلافت تحریک اور ہر اس تحریک کے جانی دشمن تھے جو انگریزی راج کے خلاف ہو ؎۲۔

(۳) فاضل بریلوی کے متعلق مزید لکھتے ہیں :-

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے سوا اور اپنے معتقدین کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابو جہل و ابو لہب سے بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے ؎۳۔

عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کی طرف سے اعلیٰ حضرت کی ذات پر لگائے گئے بہت سارے الزامات میں سے میں نے صرف تین الزامات پر گفتگو کرنی چاہی ہے۔ جو میرے نزدیک نہایت سنگین اہمیت کے حامل تھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(الف) فاضل بریلوی (معاذ اللہ) ایمان ابوین مصطفےٰ صلے اللہ

؎۱ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ۔ مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ناشر مکتبہ خلیل، راجپوت مارکیٹ لاہور۔ ص ۱۳۶۔

؎۲ ذکر آزاد :- از عبدالرزاق ملیح آبادی۔ طبع اول ۱۹۶۰ء ناشر دفتر آزاد ہند ساگر دت کلکتہ۔ ہند۔ ص ۲۰۔

؎۳ ایضاً ص ۲۱۔

علیہ وسلم کے قائل نہیں تھے۔

(ب) فاضل بریلوی ایمان ابوطالب کے قائل تھے۔

(ج) فاضل بریلوی نے شیخ دحلان علیہ الرحمۃ کے خلاف کوئی کتاب لکھی تھی (جس کا ملیح آبادی صاحب نے کوئی نام نہیں بتایا)

(د) فاضل بریلوی بقول ملیح آبادی صاحب کے "تحریک خلافت تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت کے اس لئے مخالف تھے کہ انگریزوں کے مفاد میں نہ تھیں۔

(ہ) فاضل بریلوی اپنے اور اپنے معتقدین کے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو (معاذاللہ ثم معاذاللہ) بقول ملیح آبادی صاحب کے کافر بلکہ ابوجہل سے بڑھ کر اکفر جانتے تھے۔

الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین

(الف) ملیح آبادی صاحب کا یہ الزام کہ فاضل بریلوی نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شیخ احمد دحلان علیہ الرحمۃ کے خلاف یا ان کے رد میں کوئی رسالہ لکھا یہ صریح اًکذب و جھوٹ پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فاضل بریلوی ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اپنے والد علیہ الرحمۃ کے ساتھ حج کرنے گئے، اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو وہاں کے اکابر علماء کرام یعنی شیخ الاسلام حضرت علامہ سید احمد دحلان اور حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج، مفتی حنفیہ سے حدیث فقہ، اصول فقہ، اور تفسیر و دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ۱ھ

پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فاضل بریلوی جس سے سند حاصل کریں اُسی کے ردّ میں ۱۹۰۱ء کے اوائل میں کتاب لکھ کر اپنے استاد کے سلسلے کو مشکوک کرلیں اور حضرت مولانا خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ جس سے بقول آزاد صاحب، فاضل بریلوی کے دیرینہ تعلقات تھے ان سے تعلقات خراب کرلیں۔ چند شواہد کی روشنی میں عقل "اس بات" کو حقیقتاً تسلیم نہیں کرتی۔

۱ :۔ ملیح آبادی صاحب فرماتے ہیں کہ اُس رسالہ میں ایمان ابوطالب پر زور دیا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں یعنی سند حاصل کرنے سے ایک سال پہلے ہی ایک رسالہ بنام معتبر الطالب فی شیون ابی طالب ۲؎ لکھا تھا جس میں آپ نے بڑے واضح دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ابوطالب نے کفر پر وفات پائی۔

۲ :۔ شیخ الاسلام سیّد احمد بن دحلان علیہ الرحمۃ کا انتقال تو ۱۹۰۱ء سے پہلے ہو چکا تھا۔ حوالہ ملاحظہ کریں۔

(الف) ھٰذا الکتاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ۔
العالم الاسلامی الجلیل احمد بن زینی دحلان مفتی

---

۱ :۔ تذکرہ علمائے ہند۔ از رحمان علی مولوی، مترجم ایوب قادری۔ ناشر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی، ص ۹۸۔

۲ :۔ فقیہہ اسلام :۔ از حسن رضا ڈاکٹر۔ ناشر ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا کراچی، پاکستان۔ ص ۲۰۳۔

الشافعی بمکۃ المکرمۃ وتوفی رحمۃ فیہا سنۃ

۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء م " ۳ے

ترجمہ :- یہ کتاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ عالم کبیر شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سیدی احمد بن زینی دحلان کی تصنیف ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں ہوا۔

۳ :- فاضل بریلوی شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر اپنی تصنیف لطیف میں کس والہانہ انداز میں کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارتوں سے لگائیں۔ لکھتے ہیں :-

(الف) " میں امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء محدث پختہ رائے والے فقیہہ مولانا سید احمد بن زین بن دحلان المکی (قدس سرہ المکی) سے راوی ہوں " ۴ے

(ب) " امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء اعلم محدث فقیہہ امام استاد سیدنا المولوی سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سرہ المکی) وہ حضرت عثمان و میاطی کی طرف سے مجاز ہیں " لے

---

۳ :- الدرر السنیہ۔ از احمد دحلان۔ شیخ الاسلام اشاعت ۱۹۸۶ء ناشر مکتبہ حقیقت کتبوی استنبول ترکی ٹائیٹل صفحہ۔

۴ :- الاجازات المتینیہ شمولہ رسائل رضویہ، مرتبہ عبدالحکیم اختر۔ علامہ، اشاعت اول ۱۹۷۶ء ص ۳۰۵ جلد ۲۔

۱ :- ایضاً ص ۲۷۱

(ج) ، فاضل جلیل کامل عقل مند شجرۂ فضیلت وعظمت کی
شاخ صاحب علم وعرفان مولانا السید عبداللہ دحلان ، جو
علامہ کبیر "امام شہیر" ہمارے آقا ، ہمارے شیخ السید
احمد بن زین دحلان کے برادر زادہ ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں رحمت
ورضا میں چھپائے) ؎۲

فاضل بریلوی کو شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کو خود اپنے قلم سے ____ پختہ رائے والے فقیہہ ، امانت دار ، امام شہیر ، ہمارے آقا ، ہمارے شیخ جیسے القابات سے مخاطب فرمایا ہے ۔ پھر وہ شیخ علیہ الرحمۃ کا رد کس طرح کر سکتے ہیں ۔

۴ :- ملیح آبادی صاحب کا پھر یہ کہنا فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ میں ابوطالب کے ایمان پر زور دیا تھا قطعی صحیح نہیں ۔ جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ فاضل بریلوی شیخ الاسلام سے ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں سندِ حدیث پاک کی اجازت لینے سے ایک سال قبل ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں ہی عدم ایمان ابوطالب کے جواز میں رسالہ معتبر الطالب فی شیون ابی طالب رقم کر چکے تھے ۔ اسی مسئلہ پر آپ کی دوسری تصنیف شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ہے جس کی سنہ تصنیف ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء ہے اس رسالہ کو شیخ الاسلام کے انتقال پُر ملال کے ٹھیک ۱۲ سال بعد لکھا ہے جس کا دوسرا نام "اسلام ابی طالب" ہے ۔ فاضل بریلوی وجہ تصنیف کے ضمن میں لکھتے ہیں :-

"پہلے یہ سوال بدایوں سے آیا تھا جواب میں ایک موجز رسالہ

؎۲ ایضاً ص ۱۳۲

یہ چند ورق کا لکھا اور اس کا نام عتبر الطالب فی شیون ابی طالب رکھا۔ اب کہ دوبارہ احمد آباد سے سوال آیا اور بعض علمائے بمبئی نے بھی اس بارے میں توجہ خاص کا تقاضا فرمایا حسب حالت ما ہنہ د فرصت شرح و بسط کافی کو کام میں لایا اور اسے اجمال اول کی شرح بنایا۔ نیز شرح مطالب و تسکین طالب میں بحمدہ تعالی حافل و کامل پایا۔ لہذا شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) اس کا نام رکھا اور یہی اس کی تو تاریخ آغاز و انجام۔" ؎۳

ابوطالب کے متعلق ایک حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اس حدیث جلیل سے واضح کہ ابوطالب نے وقت مرگ کلمہ طیبہ سے صاف انکار کر دیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا جب تک اللہ عز وجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لئے استغفار کروں گا۔ مولی سبحانہ تعالے نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو ابوطالب کے لئے استغفار سے منع کیا۔" ؎۴

؎۳ اسلام ابی طالب۔ از فاضل بریلوی اشاعت دوئم۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء ناشر مصلح الدین پبلی کیشنز، کراچی ص ۶۔

؎۴ ایضاً ص ۱۲۔

اصل حقیقت:

علمائے اہل سنت "ایمان ابوطالب" کے مسئلے کو ضروریات دین سے شمار نہیں کرتے لیکن اس کے برعکس اس معاملے میں "روافض" نے اتنا غلو کیا ہے اس قدر جھوٹی روایتیں اور حدیثیں گڑھیں ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اہل سنت کے اکثر محققین علماء کی اکثریت عدم ایمان ابوطالب کی قائل ہے۔ کچھ نے یہ مسئلہ ضروریات دین وضروریات مذہب اہل سنت سے نہ ہونے کی وجہ سے سکوت برتا اور خال خال محقق سنی علماء عظام نے جناب ابوطالب صاحب کی رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت، محبت اور آپ کی شان میں شاندار مدحیہ نعتیہ اشعار کہنے کے پیش نظر آخری وقت میں ایمان لانے کے قائل بھی ہوئے ہیں (ایشیخ الاسلام والمسلمین سیدی وسندی محبوب الٰہی حضرت سید نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ فریدی چشتی اور محقق علی الاطلاق شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں ۔ محمد نوشاد عالم چشتی)۔ انہیں عوامل کے پیش نظر شیخ الاسلام حضرت مفتی دحلان علیہ الرحمۃ نے بھی ایک کتاب بنام "اسنی المطالب" لکھی ہے۔ جس میں شیخ علیہ الرحمۃ نے جناب ابوطالب صاحب کے آخری وقت میں ایمان قبول کرنے کا اثبات کیا ہے۔ یہ کتاب مجھے ابھی تک دستیاب نہ ہوسکی ورنہ چند "اقتباسات" اس سے بھی پیش کرتا۔ حضرت شیخ نے اس مسئلہ پر اپنا رسالہ ظاہر ہے کہ اپنے وصال ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء سے قبل ہی لکھا ہوگا اور اعلیٰ حضرت سے ان کی پہلی ملاقات مکۃ المکرمہ میں ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۸ء میں جب پہلی بار حج کرنے گئے تو ہوئی اور اسی وقت ان سے تعارف بھی ہوا۔ جبکہ اعلیٰ حضرت "عدم ایمان ابوطالب کے جواز" میں ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ہی ایک رسالہ لکھ چکے تھے۔ لہٰذا ملیح آبادی صاحب

کا یہ کہنا کہ فاضل بریلوی نے حضرت شیخ کے رد میں رسالہ لکھا بات سمجھ میں نہیں آئی۔ رہ گئی بات دوسرے رسالہ کی جو آپ نے حضرت شیخ کے وصال کے بارہ[12] سال بعد لکھا ہے وہ بھی ایک استفتار کا جواب ہے نہ کہ کسی کا رد۔ پوری کتاب پڑھ جایئے آپ کہیں اس میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نام حوالہ پائیں گے اور نہ ان کی ذات کی طرف ادنیٰ اشارہ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا قارئین خود مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔

اس ضمن میں ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا کہ حضرت شیخ فاضل بریلوی کے اساتذہ میں شامل ہیں اور شاگرد کا اپنے استاذ مکرم سے علمی انداز میں احترام کے دائرے میں رہ کر اختلاف کرنے کو اہل علم کے یہاں "رد" سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ جس کی واضح مثال امام اعظم علیہ الرحمۃ سے آپ کے شاگردان رشید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا "اختلاف" ہے جسے دنیا کا کوئی بھی بڑا سے بڑا انقاد رد سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی یہ مسئلہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

> "ابوطالب کے باب میں اگرچہ قول حق و صواب وہی کفر و عذاب اور اس کے خلاف شاذ و مردود باطل و مطرود۔ پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذاللہ "خلاف پر تکفیر" کا احتمال ہو۔ [1]

لہٰذا بلا کسی خاص وجہ اور قرائن کے اس رسالہ کو حضرت شیخ کے رد میں شامل کرنا اور فاضل بریلوی کو ابوطالب کے ایمان کا قائل کہنا بلاشبہ آپ پر بہتان اور آپ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی مترادف ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۶۶

نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے والدین گرامی کے ایمان کے متعلق فاضل بریلوی ہمیشہ جواز کے قائل رہے ہیں۔ ان حضرات القدس کے ایمان کے متعلق آپ نے کبھی بھی "عدم جواز کا فتویٰ" نہیں دیا، بلکہ اثبات ایمان کیا ہے۔ ثبوت ملاحظہ کریں۔ فاضل بریلوی سے پوچھا گیا کہ :-

"بیان کیاجاتا ہے کہ شب معراج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے والدین (رضی اللہ عنہما) کا عذاب دکھایا گیا اور ارشاد باری ہوا کہ اے محبوب! یا ماں باپ کو بخشوا لے یا اُمت کو۔ آپ نے ماں باپ کو چھوڑا اور اُمت اختیار کی۔ صحیح ہے یا نہیں"۔ ؟

جواب دیا کہ :-

"محض جھوٹ افترا اور کذب وبہتان ہے۔ اللہ ورسول پر افترا کرنے والے فلاح نہیں پاتے جل وعلیٰ، صلی اللہ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ [1]

آپ سے ایک اور سوال کیا کہ :-

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبداللہ بن، عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، چاروں پشت پر فاتحہ و درود پڑھنا چاہیے یا نہیں"؟

---

[1] احکام شریعت۔ از فاضل بریلوی سنہ ندارد ناشر مدینہ پبلی شینگ، کراچی پاکستان ۱۴۴ – ۱۴۵

جواب ارشاد فرماتے ہیں :۔

"ہمارے نزدیک صحیح و ترجیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے آباد اُمہات حضرت عبداللہ و حضرت آمنہ سے حضرت آدم علیہ السّلام و حضرت حوّا تک سب اہل توحید و اسلام و نجات ہیں۔ تو انہیں ایصال ثواب میں حرج نہیں۔ البتہ اختلاف علمار سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ثواب نذر بارگاہ بیکس پناہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کرے اور حضور کے طفیل میں حضور کے علاقہ والوں کو" ؎۲

یہ تو رہی بات اعلیٰ حضرت کے مختصر فتاوے کی۔ اس مسئلے کی تفصیل فتاویٰ رضویہ کی ضخیم جلد وں میں ملاحظہ کریں۔ اب آیئے اس مسئلہ میں خاص ان کی ایک تصنیف کا ذکر ہو جائے جس کو فاضل بریلوی نے اسلام ابی طالب سے ایک سال قبل ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں لکھا۔ جس کا "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" ہے۔ یہ مجموعہ رسائل جلد اول میں شامل ہے۔ اس کے مرتب علامہ مفتی شجاعت علی قادری اپنے مقدمہ میں اس کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مستند حوالوں سے اس مسئلے کو واضح کیا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اور نہ صرف مومن بلکہ صحابی تھے۔ وہ صحابی کیسے ہوئے، یقیناً آپ کے لئے یہ بات

؎۲ ایضاً۔ ص ۱۵۱ — ۱۵۲۔

حیرت انگیز ہوگی۔ لیکن جب آپ اعلیٰ حضرت کا رسالہ "شمول الاسلام" ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی یہ حیرت یقین حق میں تبدیل ہو جائے گی۔ ۳ے

اس رسالے میں فاضل بریلوی ابوین کریمین نبی علیہ السلام کے ایمان کے جواز میں سب سے پہلے قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں پھر احادیث مبارکہ کی روشنی میں استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :۔

"جب صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر لا اقل (کم سے کم) سات بندگان مقبول ضرور رہے ہیں اور خود بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے، ہر قرن میں خیار قرن سے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر، اگرچہ کیسا ہی ہو، شریف القوم بالانسب ہو۔ کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباد امہات ہر قرن اور ہر طبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا ۱ے

۳ے شمول الاسلام۔ مشمولہ مجموعہ رسائل، مرتبہ شجاعت علی قادری مفتی۔ ناشر مدینہ پبلشنگ کراچی ص ۷۵، جلد ۱۔ —— ۱ے ایضاً ص ۸۴۔

مذکورہ بالاحوالجات سے پتہ چلا کہ :-

فاضلِ بریلوی از ولادت تا وصال ابوین مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو "مومن" صاحب نجات مانتے تھے آپ نے ان حضرات گرامی کے ایماندار ہونے کا فتویٰ دیا اور اس کے جواز میں رسالہ لکھا ۔

فاضل بریلوی عدم ایمان ابوطالب کے قائل رہے ۔ اس عنوان کے تحت آپ نے دو یادگار رسالہ تحریر فرمایا ۔ لیکن "قائلینِ ایمان" کے تکفیر کرنے والوں سے متفق نہ تھے ۔ کیونکہ محققین کے پیش نظر یہ مسئلہ اختلافی ہے لیکن ضروریات دین یا مذہب اہل سنت سے نہ ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے ۔

فاضل بریلوی نے شیخ الاسلام سید شیخ دحلان علیہ الرحمۃ کے رد میں کوئی رسالہ نہیں لکھا یہ صرف آزاد صاحب اور ملیح آبادی صاحب کی ذہنی اختراع ہے ۔ ڈاکٹر جمال الدین صاحب اقتباس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"مجھے مولانا آزاد کے اس بیان کو بعینہٖ تسلیم کرنے میں کچھ تامل ہے کیوں کہ انہوں نے دو ایسے علمائے بدایوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان (آزاد) کے والد کو خاص تعلق تھا اور جنہیں وہ اپنا ہم عقیدہ تصور کرتے تھے ، یعنی مولانا فضل رسول اور مولانا عبدالقادر، فاضل بریلوی کی طرح یہ دونوں بدایونی علماء بھی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے متوسلین میں سے تھے ۔ اور اس طرح برکاتی نسبت ان میں قدر مشترک تھی ۔ علاوہ ازیں مولانا آزاد کا یہ بیان پڑھنے کے بعد کہ ان کے والد علمائے حال میں مولانا عبدالقادر بدایونی کی تعریف

کرتے اور ان کی حنفیت پر معترض نہ تھے پچھلے بیان کو تسلیم
کرنے میں پس وپیش ہوتا ہے، کیوں کہ انہیں مولانا عبد القادر
بدایونی کے صاحبزادہ مولانا عبد المقتدر بدایونی ہیں جنہوں نے
۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے ایک عام جلسہ میں فاضل بریلوی کو مجدد
مائتہ حاضرہ" کا لقب دیا تھا۔ ظاہر ہے مولانا عبد المقتدر کو
فاضل بریلوی کی حنفیت پر پورا اعتماد رہا ہوگا۔ [۲]

فاضل بریلوی کا ہر قاری جس نے ان کی تصانیف سے کچھ تھوڑا سا بھی استفادہ کیا ہے یقیناً آزاد اور ملیح آبادی صاحبان کے اس بیان کو تسلیم کرنے میں تامل کریگا۔

(ب) ملیح آبادی صاحب فاضل بریلوی کے متعلق یہ کہہ کر کہ ــــــ "وہ خلافت تحریک اور ہر اس تحریک کے جانی دشمن تھے جو انگریزی راج کے خلاف ہو" انگریزوں کا ایجنٹ اور استعماری طاقتوں کے گماشتہ ہونے کا تاثر دیا ہے۔ جو انتہائی مذموم اور قابل مذمت فعل ہے ضخامت کے پیش نظر نہایت اختصار کے ساتھ چند شواہدات پیش خدمت ہیں۔

تاریخ سے واقف ہر فرد یہ بخوبی جانتا ہے کہ بریلی ہی وہ مقام ہے جہاں کے مجاہدین جنگ آزادی کے جوش ولولہ اور جذبۂ حریت کے سامنے فرنگیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ ساکنین بریلی کی غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی، جنہوں نے بڑھ چڑھ کر میدان کارزار میں کشت خون کا بازار سرگرم رکھا۔ فرنگیوں سے نفرت بریلی کے عوام کے رگ وپے

---

[۲] مقالات (امام احمد رضا اور آزاد کے افکار) اشاعت اول سنہ ۱۹۹۱ء۔ مرتبہ وناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی۔ ص ۳۸۔

میں رچ بس گئی تھی۔ فاضل بریلوی انہیں عوام کے "بے تاج بادشاہ" تھے جس کا اعتراف ملیح آبادی صاحب کو بھی ہے۔ لیکن فاضل بریلوی انگریزوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اہل ہند کی عیاری و مکاری سے بھی واقف تھے۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں اسلام دشمن طاقتوں کی مخالفت کی۔ جب کہ آزاد صاحب اور ان کے حامی علماء اور متبعین عوام نے انگریزوں کی غلامی سے نکل کر اہل ہنود کے جنگل میں پھنسے جا رہے تھے۔ جس کی مخالفت، اسلامی اقدار مسلم تشخص کی تحفظ کے لئے شرعی نقطہ نگاہ سے وقت کی اشد ضرورت تھی۔ ورنہ مسلمان "ہندو مسلم" دوستی کے پردہ میں اپنا تشخص کھوتا جا رہا تھا۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں حالات کی نزاکت کا احساس نہیں رہا۔ لیکن اس دور کے علمائے حق کے دلوں کی بے چینیاں اس اقتباس سے اندازہ کریں۔ سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ لکھتے ہیں :-

"فدائیان وطن مسلم اور ہنود کے اتفاق و اتحاد کا مقصد تو یہ تھا کہ، اغراضِ سیاسی و ملکی میں دونوں قومیں یک زبان ہو کر مطالبہ پیش کریں اور دونوں ہاتھ ایک بن کر انتظامات میں شریک ہوں۔ اس اتفاق کا یہ مطلب تو ہرگز نہ تھا۔ اور نہ ہرگز ہونا چاہیے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں اگر اس صدی کے مسلمانوں کے نزدیک ان کا دین ان کی (خود ساختہ) شاہراہ ترقی میں سنگ راہ ہے تو انہیں اس کا اختیار ہے کہ اس صراط مستقیم اور اس دین قدیم سے اپنے کو علیحدہ کر لیں اور جو مذہب انہیں دنیاوی متمتعات سے مالا مال کر دے اُسے اختیار کر لیں۔ لیکن اس کا انہیں اختیار نہیں کہ اپنے کو مسلم اور مومن کہہ کر "قوانین ایمان" اور شریعت اسلام میں اصلاحیں دیں اور ایک مذہب ممزوج اور ایک

دینِ مرکب ایجاد کریں۔ اس لئے دین سے وہ مقدس اسلام جسے آج سے چودہ سو برس قبل ہمارے پیغمبر روحی فداہ لائے تھے۔ اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہے اور مثل دیگر ادیان باطلہ اسے بھی ایک دینِ باطل کے لقب سے خطاب کرتا ہے۔

مسلمانو! ذرا انصاف سے کام لو تم نے مساجد کی کیسی بے حرمتی اپنے ہاتھوں سے کی ہے۔ کیا مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ نجس و ناپاک کا مسجد میں جانا شرعاً سخت ممنوع ہے۔ اہل ہنود کے مذہب میں بجز مسلمانوں کے وجود کے اور کوئی شیئے نجس نہیں۔ علاوہ نجاست کفر و شرک کے وہ دیگر نجاست ظاہری سے آلودہ رہتے ہیں۔ انہیں تم مساجد میں لے گئے، منبر یا مقبرہ جو ساری مسجد کا ایک ممتاز مقام ہے اس پر تم نے ہنود کو جگہ دی۔ تبلیغ و ہدایت کے لیے ان سے مصر ہوئے۔ ذرا ایمان کو سامنے رکھ کر کہنا کہ منبر کس کی جگہ تھی؟ اور اس پر سے کس کی صدائیں تلقین و تبلیغ بلند ہوئی تھی۔ اور تم نے اس عظمت کو کس بے دردی سے پامال کیا۔ ہنود مساجد میں توحید کی آواز سننے اور مشرکانہ اعمال کی خطاری سمجھنے اور ہدایت پانے کے لئے اگر جاتے یا لے جائے جاتے تو سہو اور غلط کاری کا ایک بہانہ بھی تھا۔ لیکن خاص خانہ خدا اور توحید کے مکان میں مبلغ کی حیثیت سے ہنود کو سربلندی بخشنا، اسی صدی کے مدعیانِ اسلام کا خاصہ ہے۔" [۵]

۵: الارشاد۔ از محمد سلیمان اشرف۔ پروفیسر اشاعت اول ۱۹۰۱ ناشر مکتبہ رضویہ لاہور پاکستان۔ ص ۱۵ - ۱۶۔

آپ نے جس اقتباس کی ورق گردانی کی ہے یقیناً یہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ لفظ لفظ اور حرف حرف سے حقیقت عیاں ہے اور عیاں کیوں نہ ہو کہ ادب معاشرہ کا آئینہ ہے آزاد صاحب کے حامی قلم کار عبدالقوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"۱۹۱۹ء آتے آتے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا اس قدر زور تھا کہ کلکتہ اور دہلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے "مسجدوں" میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔ جس کے خلاف بعض اخبارات نے انگریزوں کے اشارے پر آواز اٹھائی۔ اس لئے کہ انہیں یہ اتحاد پسند نہ تھا۔" ۵۲

شردھانند کون تھا اسے بھی جانئے بقول ایچ بی خان :۔

" شردھانند وہی شخص ہے جسے مسلمانانِ ہند نے ہندو مسلم اتحاد کی خاطر ایک جلوس کی شکل میں جامع مسجد دہلی میں لے جاکر مسجد کے منبر پر چڑھا کر حاضرین کو خطاب کرنے کا غیر معمولی اعزاز بخشا تھا۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد شردھانند نے "شدھی تحریک" شروع کردی۔ ۵۳

معلوم ہوا کہ :۔

اتقوا فراست المؤمن ینظر بنور اللہ ، مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ

---

۵۲ : ابوالکلام آزاد۔ از عبدالقوی دسنوی ، اشاعت اول ، ۱۹۸۰ء ناشر ساہتیہ اکادمی نئی دہلی ص ۶۶۔

۵۳ : برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار۔ از ایچ بی خاں ۔ اشاعت اول ۱۹۸۵ء ناشر قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد پاکستان ۔ ص ۲۶۰

اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ہوا وہی جو علمائے حق نے ارشاد فرمادیا تھا اور جس خدشے کا اظہار کردیا تھا لیکن باوجود اہل ہنود سے دھوکہ کھانے کے اپنی روش ابھی تک تبدیل نہیں کی گئی۔ تحاریک کے حوالے سے تفصیل میں نہ جاکر صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ فاضل بریلوی سلطنت عثمانیہ ترکیہ اور محترم سلطان عبدالحمید (خلد آشیانی) کے امداد کے خلاف ہرگز نہ تھے۔ عثمانی سلطنت بچانے کی حمایت میں جو تحریک بنام خلافت تحریک شروع کی گئی تھی۔ اس کی اعانت کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

"سلطنت عثمانیہ ایدہا اللہ تعالیٰ ۔ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ۔ ہر جماعت اسلام ۔ نہ صرف جماعت ۔ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنی ۔ دل سے خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنیٰ ۔ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں ، اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے ۔ اور ہر فرض بقدر قدرت ۔ ہر حکم بقدر استطاعت ۔ بادشاہ اسلام اگرچہ غیر قریشی ہو ۔ اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو ۔ اور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام اور وقت حاجت اس کی اعانت ۔ بقدر استطاعت سب اہل کفایت پر لازم ہے ۔ لہ

لہ : دوام العیش ، از فاضل بریلوی اشاعت ۱۹۸۰ء ناشر مکتبہ قادریہ لاہور ، پاکستان ۔ ص ۴۶

اس کے علاوہ فاضل بریلوی کے نقطۂ نظر سے مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے آپ کی تصنیف "دوام العیش کے صفحہ ۴۱ - ۴۲ - ۴۶ - ۴۷ - ۵۵ - ۵۶ - ۹۴ - ۹۵ (مطبوعہ لاہور) کا مطالعہ کریں۔ فاضل بریلوی پر انگریز پرستی جیسے قبیح الزام کے متعلق پاکستان کے ایک نامور اور غیر جانب دار صحافی شوکت صدیقی کی رائے گرامی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں :-

" ان (فاضل بریلوی) کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے، نہایت گمراہ کن اور شر انگیز ہے۔ وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے " میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا۔ انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں۔ مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کبھی عدالت میں حاضری نہ دی۔ ایک بار انہیں ایک مقدمہ کے سلسلے میں عدالت میں طلب بھی کیا گیا مگر انہوں نے توہین عدالت کے باوجود حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی " میں انگریزوں کی حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو کیسے تسلیم کر لوں۔

مزید لکھتے ہیں :-

مولانا احمد رضا خاں نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے نہ ان کی حمایت میں کوئی فتویٰ دیا۔ نہ اس بات کا کسی طور اظہار کیا۔ کم از کم میری نظر سے ان کی ایسی کوئی تحریر یا تقریر نہیں گذری۔ اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا اس لئے کہ نہ میرا ان کے

مسلک سے تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے ۔ ۷۵

تاریخی شواہدات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ حمایت انگریز کا الزام بھی محض افترا محض ہے مخالفین کے پاس اس کا کوئی ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت نہیں ورنہ آج تک ضرور شائع کر دیا جاتا۔ مخالفین بجائے مفروضہ کے اس ٹھوس ثبوت کا سہارا لیتے ۔

(ج) فاضل بریلوی کے متعلق ملیح آبادی صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ ——— "یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے سوا اور اپنے معتقدین کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل وابولہب سے بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے ۔" تحقیقی اعتبار سے غلط ہے۔ فاضل بریلوی کا مسئلہ تکفیر کے متعلق کیا نقطہ نظر ہے ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں :-

> "لزوم اور التزام میں فرق ہے ۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے ۔ ہم احتیاط برتیں گے ۔ سکوت کریں گے ۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرنے سے ڈریں گے ۔ ۷۶

تکفیر کے معاملے میں مخالفین فاضل بریلوی کی تالیف حسام الحرمین کو بہت زیادہ موضوع بحث بناتے ہیں ۔ حالانکہ فاضل بریلوی نے اس میں کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ کر چند عبارتوں کے قائلین کے بابت علماء حرمین شریفین سے استفسار کیا ہے ایسے اشخاص کی تعداد کل پانچ ہے جن کے متعلق حرمین شریفین کے علمائے کرام اور مفتیان عظام نے ان کفری عبارات کے بنا پر خارج از اسلام کا فتوٰی دیا ہے ۔ ان کفریہ عبارات کا عکس جناب

---

۷۵ : جہان رضا ۔ مرتبہ مرید احمد چشتی اشاعت اول ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ناشر مرکزی مجلس رضا لاہور پاکستان ۲۱۳-۲۱۷

۷۶ : انوار رضا (مجموعہ مقالات) ، بار دوئم اگست ۱۹۸۶ء ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۔ ص ۱۴-۱۵ ۔

مولانا منشا تابش قصوری کی تصنیف "دعوتِ فکر" میں ملاحظہ کریں۔ قارئین پہ مخفی نہ رہے کہ اب مخالفین نے جدید اشاعت میں اپنے اکابر کی عبارتوں میں ردوبدل کر دیا ہے۔ دین اسلام کے کسی ایک بھی مسلمہ اصول سے بغاوت کر کے کوئی اسلام کے دائرہ میں نہیں رہ سکتا۔ فاضل بریلوی کا اس طرح لکھنے والوں سے اصولی اختلاف تھا جس کا اعتراف مخالفین کے وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے والے مولوی منظور ندوی صاحب نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہوں کہ میلاد، قیام، عرس وقوالی، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ، رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی دراصل دیوبندی، وبریلوی اختلاف ہے۔ مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ مسلمانوں کے درمیان ان مسائل میں اختلاف تو اس وقت سے ہے، جب کہ دیوبند کا مدرسہ قائم بھی نہیں ہوا تھا۔ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان مسائل کے اختلاف کو دیوبندی، بریلوی اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔ علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہل سنت سے خارج کہا جاسکے۔" ؎۲

؎۲: فیصلہ کن مناظرہ۔ از منظور احمد مولوی، اشاعت چہارم ۱۹۶۵ء ناشر دارالاشاعت سنبھل مراد آباد ص ۶،۵

دور حاضر کے مشہور محقق حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی نے بھی اس مسئلہ پر اہل سنت کا موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف صرف ان عبارات کی وجہ سے ہے جن میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبوبان حق سبحانہ تعالیٰ کی شان میں صریح گستاخیاں کی ہیں باقی مسائل میں محض فروعی اختلاف ہے جس کی بنا پر جانبین میں سے کسی کی تکفیر و تضلیل نہیں کی جا سکتی ——— دیوبندی حضرات اور اہل سنت کے درمیان بنیادی اختلافات کا موجب علماء دیوبند کی صرف وہ عبارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کھلی توہین کی گئی ہے۔ [۱]

فاضل بریلوی گستاخانہ عبارتوں کے متعلق لکھتے ہیں :-

"ان لوگوں کی وہ کتابیں جن میں یہ کلمات کفریہ مدتوں سے انہوں نے خود اپنی زندگی میں چھاپ کر شائع کیں اور ان میں بعض دو دو بار چھپیں۔ مدتہا مدت سے علمائے اہل سنت نے ان کے رد چھاپے مواخذہ کیے۔ وہ فتویٰ جس میں اللہ تعالیٰ کو صاف صاف کاذب جھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری دستخطی اس وقت محفوظ ہے۔

---

[۱] : الحق المبین۔ از سید احمد سعید کاظمی۔ محقق شیخ الحدیث، سنہ ندارد۔ ناشر مکتبہ فریدیہ ساہیوال پاکستان۔ ص ۱۲-۱۳

اور اسکے فوٹو بھی لئے گئے، جس میں سے ایک فوٹو علمائے حرمین شریفین کو دکھانے کے لئے مع دیگر کتب دشنامیاں گیا تھا سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے ۵ے
علمائے حرمین شریفین کے شرعی فیصلہ کو فاضل بریلوی کا ذاتی خیال گردانا کہاں کا انصاف ہے اور غلط پروپیگنڈے کی بنیاد پر فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح کرنا کونسا ایمان کا خاصہ ہے ؟؟؟ حقیقت یہ ہے کہ مخالفینِ اعتقاد اہل سنت نے اپنی علمی و دینی شکست کا بدلہ سیاسی طور پر لینے کے لئے فاضلِ بریلوی کے خلاف ان کی زندگی میں ہی اس طرح کے پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ چوں کہ عبدالرزاق ملیح آبادی خیر ایک "وہابی عالم اور کمیونسٹ صحافی تھے"۔ لہٰذا اپنے زیر اثر اخبارات و رسائل اور جرائد کے توسل سے اس "مہم" میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کا احساس فاضل بریلوی کو بھی ہو گیا تھا اس لئے آپ لکھتے ہیں :-

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہہ دیا، مولوی عبدالحئی صاحب کو کافر کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذاللہ معاذاللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا۔ شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حدِ حیا سے اونچے

۵ے: تمہید الایمان۔ از فاضل بریلوی اشاعت جلد دوئم ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء ناشر بزم فکر و عمل کراچی پاکستان صہ ۴۶

گذر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ العیاذ باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اُسے کافر کہہ دیا۔

یہاں تک ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے، انہوں نے آیۃ کریمہ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا۔ پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا، جس پر یہاں سے رسالہ "انجاء البری عن وسواس المفتری" لکھ کر ارسال ہوا، اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا۔ غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں۔ اس کا جواب وہ ہے جو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون ؀* بیشک جھوٹے افترا وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔ اور فرماتا ہے

فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ؀** ہم اللہ کی لعنت ڈالیں جھوٹوں پر۔"

مسلمانان اہل سنت کو ہوشیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

* القرآن الکریم سورۃ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۵

** القرآن الکریم۔ سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۶۱۔

"مسلمانوں! اس فکر سخیف و کید ضعیف کا فیصلہ کچھ دشوار نہیں،
ان صاحبوں سے ثبوت مانگو کہ ـــــ کہدیا کہدیا فرماتے ہو۔ کچھ
ثبوت دکھاتے ہو؟؟ ـــــ کہاں کہہ دیا؟
ـــــ کس کتاب کس رسالے ـــــ کس فتوے ـــــ کس پرچے
میں کہہ دیا؟ ـــــ ہاں! ہاں! ثبوت رکھتے ہو تو کس دن کے
لئے اٹھا رکھا ہے ـــــ دکھاؤ ـــــ اور نہیں دکھا سکتے ـــــ
اور اللہ جانتا ہے کہ نہیں دکھا سکتے ـــــ تو دیکھو قرآن عظیم تمہارے
کذاب ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ مسلمانو! تمہارا رب عزوجل
فرماتا ہے:۔

فاذ الم یاتوا بالشھداء فاولئك عند اللہ ھم
الکاذبون۔ (یعنی) جب ثبوت نہیں لاسکیں تو اللہ کے نزدیک
وہی جھوٹے ہیں۔ [۱]

یقیناً فاضل بریلوی کے مخالفین کذب و خیانت سے کام لیتے ہیں۔ آج تک کوئی ثبوت بلا
تحریف و خیانت کے فاضل بریلوی کی کسی بھی کتاب سے نہ لاسکے، جو ان کے الزام بہتان
تراشی کی تصدیق کسی بھی جہت سے کرتا ہو۔ اسی لئے عبدالرزاق ملیح آبادی، الزام تراشی
بہتان بازی کی تمام تر کوشش کے باوجود فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح نہ کرسکے، تو
آپ کی زندگی میں ہی آپ کو مردہ ثابت کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنا آخری حربہ استعمال

---

[۱] ایضاً ص ۴۷-۴۸-۴۹۔

کرتے ہوئے فاضل بریلوی کے خلاف پروپیگنڈہ کو ایک نیا رخ دیتے ہیں۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) اور جناب ابوالکلام آزاد کے درمیان ۱۲ تا ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو تحریک خلافت و ترک موالات وغیرہ سے متعلق بریلی میں جو علمی مباحثہ ہوا تھا، ملیح آبادی صاحب اس کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"کلکتہ سے مولانا (آزاد) کے ساتھ میں بھی بریلی پہنچا۔ رات کو اجلاس تھا۔ مگر شام ہی سے خبریں آنے لگیں کہ کانفرنس نہیں ہو پائے گی۔" امام احمد رضا خاں تو بیشک مرحوم ہو چکے ہیں۔" مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تو موجود ہیں۔ [1]

لیکن اس کے برعکس ملیح آبادی صاحب کے ممدوح آزاد صاحب فاضل بریلوی کے نام ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بریلی ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی دام مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسئلہ تحفظ وصیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات و اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور رہیں۔ چوں کہ جمعیت العلماء

---

[1] : ذکر آزاد - عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ص ۱۲۲۔

کا جلسہ یہاں منعقد ہو رہا ہے، اور یہی مسائل اس میں زیر نظر اور بیان ہیں۔ اس لئے جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ رفع اختلافات اور مذاکرہ ونظر کا یہ مناسب و بہتر موقع پیدا ہو گیا ہے۔ جناب جلسہ میں تشریف لائیں اور ان مسائل کی نسبت بطریق اصحاب علم وفن گفتگو فرمائیں۔ میں ہر طرح عرض وگذارش کے لئے آمادہ و مستعد ہوں۔

فقیر ابو الکلام احمد کان اللہ لہ[۲]

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل بریلوی ۱۲ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء تک باحیات ہیں۔ مگر ملیح آبادی صاحب کے بقول ۱۲ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء سے پہلے ہی فاضل بریلوی احمد رضا خاں تو بیشک مرحوم ہو چکے ہیں۔ خدا جانے امام الہند نے اس مکتوب میں فاضل بریلوی کے روح کو مخاطب کیا ہے یا آپ کے جسد خاکی کو یا خود ہی عقل وہوش کی دنیا سے بیگانہ ہو چکے تھے؟ جھوٹ کی اسی روش نے عبد الرزاق ملیح آبادی صاحب کو کئی جگہ آزاد صاحب سے متصادم کر دیا ہے۔ یہ وہ معمہ ہے جسے فاضل بریلوی کے مخالفین قیامت کی صبح تک بھی حل نہیں کر سکتے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی اس تضاد پر نقد وجرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا انتقال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ یعنی وصال سے تقریباً ۷ ساڑھے سات ماہ پیشتر سرزمین بریلی میں بیٹھ کر یہ رسوائے زمانہ تاریخ گڑھی گئی کہ احمد رضا خاں تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں۔ مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں

---

[۲] مکاتیب ابو الکلام آزاد۔ مرتبہ ابو سلیمان شاہجہاں پوری۔ اشاعت ۱۹۸۶ء کراچی پاکستان ص ۱۶۱۔

تو موجود ہیں ــــــ "زندہ در گور کرنا" شاید اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ "خدمات جلیلہ ہیں" جن کے صلے میں ایسے مؤرخین کو تاریخ دانی، بلند نظری اور روشن خیالی کے تمغہ جات پیش کیے جاتے ہیں، جو یقیناً ایک المیہ سے کم نہیں۔ اور اصحاب عدل و انصاف کی گردنیں اس پر شرم سے جھک جانی چاہئیں۔ ۵۳

مذکورہ بالا آناد صاحب کے مکتوب سے متعلق ڈاکٹر مسعود صاحب لکھتے ہیں :۔

"جن کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہو سکتا ہے۔ مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکی کی مدد و اعانت سے انکار تھا، بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کے لئے کوشش کی اور نہ وہ اسلام دشمنوں کے خیر خواہ تھے وہ انگریز اور ہندو دونوں کے بیک وقت مخالف تھے۔ ۵۱

میں تو بساط ظرف سے خاموش تھا مگر
ساحل کا دل بھی موج کی شوخی سے کٹ گیا

جب ہم عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کے "حیات بابرکات" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسے تواریخی شواہد ہمیں آسانی سے مل جاتے ہیں، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فی الواقع عبدالرزاق صاحب

۵۳: امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات۔ از یسٰین اختر مصباحی۔ اشاعت اکتوبر ۱۹۸۵ء ناشر ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا۔ کراچی۔ ص ۵۲ ـ ۵۴۔

۵۱: گناہ بے گناہی۔ از محمد مسعود ڈاکٹر۔ اشاعت چہارم ناشر رضا اکیڈمی لاہور۔ ص ۵۷ ـ ۵۸

فطرتاً انتہائی تشدد پسند اور افراط و تفریط کی حد سے گذر نے جانے والے واقع ہوئے تھے۔ حدِ اعتدال کو قائم رکھنا ان کے بس کی بات تھی ہی نہیں۔ اس لئے یہ جب کسی کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کے انتہا کو پہنچ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کی محبت میں ڈوب جاتے ہیں اس کے "کفریات" کو بھی عین اسلام ثابت کرنا ان کے بائیں، ہاتھ کا کھیل ہے۔ چوں کہ عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کمیونسٹ خیال سے بھی تعلق رکھتے تھے اور عقیدتاً وہابیت کے علمبردار بھی تھے۔ اسی لئے یہ ملیح آبادی صاحب "ہم چنیں دیگرے نیست" کی منزل پر فائز ہونے کے بعد میزان عدل اور جزا، و سزا کے تصور سے ہی ماورائی ہو چکے تھے۔ مولوی غلام رسول مہر اور ملیح آبادی صاحب کے درمیان ایک مخاصمت کی تصفیہ کے لئے آزاد صاحب مہر صاحب کو لکھتے ہیں:-

"مولوی عبدالرزاق صاحب اس وقت نوجوانی کی حدود کے اندر ہیں، اس لئے طبیعت میں نوجوانی کی حرارتیں تیز ہیں۔ انہیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ (یعنی غلام رسول مہر) نے ان کا ایک مضمون نقل کیا مگر ظاہر یہ کیا کہ نقل نہیں ہے۔ وہ صرف اتنی سی بات پر اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب آپ کے "انقلاب" کا ذکر کرتا ہوں۔ جوش میں آجاتے ہیں۔ ہر چند، ان سے کہتا ہوں یہ اخبارات کے اخذ و نقل کی معمولی باتیں ہیں مگر وہ نہیں مانتے۔ چوں کہ "مشرب وہابیت" کی گرم جوشی میں وہ آپ کے خواجہ تاش ہیں اس لئے آپ دونوں معاملہ طے کرلیں ۲ھ

۲ھ نقش آزاد۔ از غلام رسول مہر۔ مولوی اشاعت سوئم مئی ۱۹۶۸ء ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور پاکستان ص۲۲

ملیح آبادی صاحب کی اس افتادہ طبیعت سے ان کے بڑے آزاد ابو الکلام صاحب جب ٹکر نہ لے سکے اور انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ معاملہ آپ دونوں طے کر لیں اور جہاں مہر صاحب جیسے "تاریخ ساز" کی بھی دال نہیں گل سکی تو وہاں ہما شما کی کیا حیثیت جو آنجناب کی شان میں لب کشائی کر سکے اسی لئے فاضل بریلوی بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

" ان بے دینوں کا تماشہ دیکھو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بدگویوں کی جو تکفیر ہوئی، اس پہ کیا کیا روتے ہیں۔ ہائے سارے جہان کو کافر کہہ دیا (گویا جہان انہیں ڈھائی نفروں سے عبارت ہے)۔ ہائے اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا (گویا اسلام ان بددینوں قافیہ کا نام ہے کہ ان کا قافیہ تنگ ہوا تو اسلام ہی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔)

اور خود یہ حالت کہ اشقیاء نہ علماء کو چھوڑیں اور نہ اولیاء کو نہ صحابہ کو نہ مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہ جناب کبریا (عز جلالہٗ) کو سب پر حکم کفر لگائیں اور خود بٹے کھرے مسلمانوں کے بچے بنے رہیں)۔ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین خبردار ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ (القرآن الکریم)

آمین، آمین، آمین، ثم آمین بجاہ سید المرسلین [۱]

آخری سطور کو سپرد قلم کرتے ہوئے مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ضخامت کے پیش نظر میں

---

[۱] خالص الاعتقاد۔ از فاضل بریلوی۔ اشاعت باب دوم۔ ۱۹۹۰ء ناشر بزم فکر و عمل کراچی پاکستان ص ۵۱

نے بہت سارے اہم حوالجاتی اقتباسات سے قارئین کو روشناش نہیں کرا سکا اور نہ تو تحاریکی حوالے سے نقد و نظر کی روشنی میں مکمل گفتگو کر سکا جس کا بنیادی سبب صرف اور صرف اختصار ہے۔ ورنہ میرے پاس فاضل بریلوی کی حمایت میں ٹھوس اور تاریخی دلائل کے انبار ہیں۔ راقم نے ملیح آبادی صاحب کے ان تینوں الزامات کے پس منظر میں ایک مبسوط مقالہ بنام "اتہامات عبدالرزاق ملیح آبادی پر ایک نظر" لکھا ہے جو کل ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقالے کو لاہور پاکستان کا موقر جریدہ ماہنامہ القول السدید (مدیر اعلیٰ محمد طفیل نقشبندی صاحب) نے ۵ قسطوں میں شائع کیا ہے ملاحظہ کریں، شمارہ اکتوبر سنہ ۱۹۹۴ء تا فروری سنہ ۱۹۹۵ء مقالے کی اہمیت کے پیش نظر رضا اکیڈمی لاہور نے ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ / ستمبر ۱۹۹۴ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔

انشاء اللہ اس کی دوسری اشاعت عنقریب اہل علم کے تاثرات کے ساتھ ہندوستان سے ہوگی۔ برادرم محمد شہاب الدین رضوی ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف یوپی ہند کی فہمائش اور خلوص نے مجھے مقالے کی تلخیص کرنے کا جذبہ عطا کیا ورنہ شاید میں اپنی گوناگوں مصروفیت کے باعث ایسا نہیں کر سکتا۔

اس میں لہو جلا ہو یا کہ ہمارا دل !
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

خانقاہی نظام کو جو قوت اور توانائی امام احمد رضا سے حاصل ہوئی اُس کا اعتراف مصوّرِ فطرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اِن الفاظ میں کیا ہے :-

اُن کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا (امام احمد رضا) کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کُفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ مگر شاید اُن لوگوں نے اسماعیل شہید اور اُن کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اُس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خان صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعتِ صوفیہ علمی حیثیت سے موصوف کو اپنا بہادر، صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔

(ہفت روزہ خطیب (دہلی) مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۵ء)